مجلس ادارت

۱۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ۲۔ ڈاکٹر نذیر احمد علی گڑھ

۳۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی علی گڑھ ۴۔ ضیاء الدین اصلاحی

سلسلۂ اسلام اور مستشرقین

فروری سنہ ۱۹۸۲ء میں اسلام اور مستشرقین کے موضوع پر دار المصنفین کے اہتمام میں جو بین الاقوامی سمینار ہوا تھا، اس کے سلسلہ میں اسی عنوان پر دار المصنفین نے ایک اہم اور نیا سلسلۂ تالیفات شروع کیا ہے، جس کی اب تک پانچ جلدیں مرتب ہو چکی ہیں۔

جلد ۱ اس میں جناب سید صباح الدین عبد الرحمن صاحب کے قلم سے اس سمینار کی بہت ہی مفصل اور دلچسپ روداد قلم بند ہوئی ہے۔ قیمت ۲۰ روپے۔

جلد ۲ اس میں وہ تمام مقالات جمع کر دیے گئے ہیں جو اس سمینار میں پڑھے گئے تھے اور جو معارف سنہ ۸۲ء سے لے کر ۸۳ء تک سلسلہ وار شایع بھی ہو چکے ہیں۔ قیمت ۳۴ روپے

جلد ۳ اس میں اسلام اور مستشرقین کے موضوع پر سمینار کے علاوہ جو مقالات لکھے گئے ہیں، اور معارف میں شایع بھی ہو چکے ہیں، جمع کر دیے گئے ہیں۔ قیمت ۳۲ روپے۔

جلد ۴ تاریخ اسلام کے مختلف پہلوؤں پر مستشرقین کے اعتراضات کے جواب میں علامہ شبلی نعمانیؒ کے تمام مضامین جمع کر دیے گئے ہیں۔ قیمت ۳۲ روپے۔

جلد ۵ اسلامی علوم و فنون سے متعلق مستشرقین کی قابل قدر خدمات کے اعتراف کے بعد ان کے اسلام اور تاریخ اسلام کے مختلف پہلوؤں پر اعتراضات کے جواب میں مولانا سید سلیمان ندوی کے تمام مضامین جمع کر دیے گئے ہیں۔ قیمت ۲۰ روپے۔

"منیجر"

جلد ۱۴۴ ماہ ربیع الثانی سنہ ۱۴۱۰ھ مطابق ماہ نومبر سنہ ۱۹۸۹ء عدد ۵

مضامین

ضروری اطلاع

کاغذ، کتابت و طباعت کی گرانی کی وجہ سے جنوری سنہ ۹۰ء سے معارف کا سالانہ چندہ چالیس روپے کر دیا گیا ہے، لیکن جن خریداروں کا چندہ آچکا ہے یا جو نئے خریدار دسمبر تک اپنا چندہ بھیج دیں گے ان سے پرانا چندہ ہی لیا جائے گا۔ (منیجر)

شذرات

پورے ملک میں عام انتخابات کی تاریخوں کا اعلان ہو چکا ہے اور اس مہینے کے آخر تک انتخابی نتائج بھی سامنے آجائیں گے، ملک جس قدر تیزی سے ذہنی پستی اور اخلاقی انحطاط کی طرف بڑھ رہا ہے، اس کے اثرات سیاست پر زیادہ پڑے ہیں اس کا نہ کوئی معیار ہے اور نہ اقدار، ہر پارٹی کی نظر بس ووٹوں پر مرکوز رہتی ہے، جن کو حاصل کرنے کا ہر طریقہ اختیار کیا جاتا ہے، قوم کے اصلی و بنیادی مسائل اور ملک کی حقیقی اور اہم ضرورتوں کو ضمنی و ثانوی حیثیت دیدی گئی ہے، بے اصولی یہاں تک بڑھ گئی ہے کہ قوم پروری اور سیکولرازم کا دم بھرنے والے فرقہ پرست اور فسطائی جماعتوں سے ہاتھ ملانے میں کوئی شرم اور جھجک محسوس نہیں کرتے اور آج جو لوگ اس پر انہیں مطعون کر کے فرقہ واریت کی مذمت کر رہے ہیں۔ انہیں کے زیر سایہ فرقہ پسندوں کی نشو ونما ہوتی رہی ہے اور ان کی نرمی اور بے اصولی ہی نے فرقہ پرستوں کو انتخابات میں حصہ لینے کا حوصلہ اور موقع دیا ہے۔

اس وقت فرقہ واریت کی آگ ہر طرف بھڑک اٹھی ہے، فرقہ پسند تنظیموں نے پورے ملک کو اپنے جال میں گھیر لیا ہے جگہ جگہ سے تشدد اور فساد کی خبریں آ رہی ہیں، بہار خاص طور پر فرقہ پرستی کی آگ میں جل رہا ہے مگر حکمرانوں اور سیاسی رہنماؤں میں اقتدار کے لئے کشاکش جاری ہے، انہیں اپنے جوڑ توڑ سے فرصت نہیں کہ وہ فرقہ وارانہ کشیدگی اور فسادات کو روکنے کی جانب توجہ کریں، واقعہ تو یہ ہے کہ ابتدا ہی سے ملک کے اس سب سے بڑے مسئلہ کی جانب سے غفلت و بے پروائی اختیار کی جاتی رہی ہے اور کبھی اس کو حل کرنے کی سنجیدہ کوشش نہیں کی گئی ہے، انتظامی مشنری میں ایسے عناصر بھرے ہوئے ہیں جو ملک کو تشدد اور انتشار کی طرف لے جا رہے ہیں اور فرقہ وارانہ قوتوں کو شہ دیتے رہے ہیں مگر اس کے باوجود حکومت ان کے معاملہ میں مصلحت، خاموشی اور نظر انداز [illegible]نے کی پالیسی اختیار کئے ہوئے ہے جس کی وجہ سے فسادات آئے دن کا معمول ہو گئے ہیں۔

جب شاندار روایتوں اور خدمات کی حامل جماعتوں نے بھی بے اصولی اور بے راہ روی کو اپنا لیا ہے تو ان جماعتوں سے کیا توقع کی جائے جن کی بنیادوں کی خشت اول ہی کجی پر رکھی گئی ہے، انتخابات اچھی اور صاف ستھری حکومت کے قیام کا وسیلہ ہوتے ہیں اور یہ احتساب، تلافی مافات گزشتہ غلطیوں سے بچنے اور پچھلے تجربات سے فائدہ اٹھانے کا موقع دیتے ہیں، مسلمان خیر الامم ہیں، حق و عدل کا قیام ان کی اہم ذمہ داری اور بنیادی فریضہ ہے، انہیں اپنی بیدار مغزی، عاقبت بینی اور شعور و تجربہ سے ہندوستانی قومیت کے پس منظر میں اپنے مسائل کا حل بھی ڈھونڈنا ہے اور ہوش و تدبر اور فہم و فراست سے کام لے کر بہتر، صاف اور سیکولر ذہن رکھنے والے ان افراد کو منتخب کرنا ہے جو فرقہ پرستی، طبقہ واریت اور تعصب کی لعنتوں میں گرفتار ہونے کے بجائے لسانی و مذہبی معاملات میں فراخدل اور انصاف پسند ہوں، مسلمانوں کو ملک کی کشتی کو منجدھار سے نکالنے اور اسے ڈوبنے سے بچانے کے لئے اپنے ووٹوں کا صحیح استعمال کرنا۔ اور انہیں رائیگاں نہیں جانے دینا ہے۔

جناب سید حامد سابق وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کی باوقار شخصیت میں جذب و کشش اور اثر انداز ہونے کی غیر معمولی صلاحیت ہے، ان کی حرکت، سرگرمی، جوش عمل اور ولولہ کار سے مضمحل اور غیر موثر تحریکوں اور اداروں میں حرارت، تپش، روانی اور توانائی پیدا ہو جاتی ہے، ان کی قوت عمل سے مشکل مہم بھی سرانجام پا جاتی ہے، مسلم یونیورسٹی کی نظامت سے سبکدوش ہونے کے بعد وہ جامعہ ہمدرد کی اسکیم کو کامیابی سے ہمکنار کر چکے ہیں اور اب انجمن ترقی اردو کو تب و تاب بخشنے اور مسلمانوں کے روزنامہ انگریزی اخبار کو منظر عام پر لانے کا بیڑا اٹھائے ہوئے ہیں، ان کے کئی پیشرو اس پر مشقت راہ کو چھوڑ کر بیٹھ رہے، مگر وہ کسی نقش پا کے بغیر یہ طویل مسافت قطع کرتے جا رہے ہیں، اکتوبر میں ہفتہ وار اخبار نکالنے والے تھے کہ سرمایہ اور خریداروں کی کمی شروع دسمبر تک کے لئے سد راہ بن گئی، رسالہ کی مضبوطی کے لئے پانچ ہزار پیشگی خریداروں کا مہیا ہو جانا اس لئے ناگزیر ہے کہ لب بام دو چار ہاتھ رہ جانے پر کمند ٹوٹ جانے کا اندیشہ باقی نہ رہے۔

ہفتہ وار کے عزائم ومقاصد جلیل ہیں، فرقہ وارانہ ہم آہنگی کو فروغ دینا، بدگمانیوں کو دور کرنا اور پس ماندہ اقلیتوں اور کمزور طبقوں بالخصوص مسلمانوں کی صورت حالات اور ان کے مسائل اور امیدوں اور حقوق اور فرائض کو ملک کے سامنے دوسرے قومی مسائل وحوادث کے شانہ بشانہ اس انداز سے پیش کرنا جو دلپذیر، مدلل اور موثر ہو، اقلیت کی عزت نفس اور مصالح ومفادات کا تحفظ کرتے ہوئے اکثریت اور دوسرے فرقوں کی طرف تعاون، خیر اندیشی اور بقائے باہم کا ہاتھ بڑھانا، خاموشی کے ساتھ بہ تدریج نظر کے زاویوں اور سوچنے کے طریقوں کو بدلنا، کدورت کی جگہ انسیت، بدگمانی کی جگہ اعتبار، عداوت کی جگہ خیر اندیشی کو دلنشیں کرنا، فرقہ وارانہ تناؤ کو مٹانا، مضامین میں تنوع ہوگا جو سنجیدگی، تحقیق، توازن اور تعمیری وتجزیاتی نقطہ نظر کے حامل اور غیر جذباتی ڈھنگ، موثر طریقہ، سلیقہ، دانش مندی، اعتدال اور استدلال کے ساتھ مسلمانوں کے حالات ومسائل کے عکاس ہوں گے، زیادتی اور ناانصافی کے خلاف آواز اٹھانا اور دلوں کو جوڑنا رسالہ کا شعار ہوگا، اہل وطن کو راغب کرنے کے لئے اس کی وضع قطع دلکش ہوگی۔ خدا ان مقاصد کی تکمیل کا سروسامان کرے اور معاصر عزیز کو بہت دنوں تک تماشائے اہل کرم نہ دیکھنا پڑے۔

افسوس ہے کہ دارالمصنفین کی مجلس انتظامیہ کے ایک معزز ومخلص رکن جناب سید محامد علی عباسی ائی۔ اے۔ ایس ۱۵ ستمبر کو حیدرآباد میں وفات پاگئے انا للہ وانا الیہ راجعون، یہ اطلاع بہت تاخیر سے ان کے ہم وطن مولوی معین احمد علوی کاکوروی کے مکتوب گرامی سے ملی۔ ان کی زندگی حیدرآباد میں بسر ہوئی دارالمصنفین کے بڑے قدر داں تھے وہ نظام ٹرسٹ کے بہت بااثر رکن تھے، اس سے دارالمصنفین کو سالانہ گرانٹ دلائی اور اس کے لئے سفر کی صعوبت برداشت کرکے یہاں تشریف بھی لائے، بڑی خوبیوں کے مالک تھے، اونچے عہدوں پر فائز رہنے کے باوجود متواضع تھے، اپنی دیانت داری، حسن خدمت اور قابلیت کی وجہ سے نیک نامی حاصل کی اور بڑا عروج پایا، ان کی شخصیت باوقار، پرکشش اور قدیم شرافت وتہذیب کا دلکش نمونہ تھی، گزشتہ برس ہمدرد نگر میں ہونے والے دارالمصنفین کے جلسہ میں شرکت فرمائی، کیا خبر تھی کہ اس عالم ناسوت میں یہ ان سے آخری ملاقات ہے، اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے اور اعزہ ومتوسلین کو صبر جمیل عطا کرے۔

مقالات

صحابہ کرامؓ کے صحف احادیث

از:- مولانا قاضی اطہر مبارکپوری۔ مبارک پور۔ اعظم گڈھ

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی احادیث کے صحیفے اور نسخے

حضرت عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ مکثرین صحابہ میں سے ہیں، جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ احادیث کی روایت کی ہے، ان کے اصحاب وتلامیذ نے ان کی روایات کو کتابوں اور نسخوں کی شکل میں جمع کیا ہے، جن میں نسخۂ نافع زیادہ مشہور ہے۔ خطیب بغدادی نے اس کا تذکرہ یوں کیا ہے:

ونسخة اخرىٰ عند ابی الیمان عن شعیب ایضاً عن نافع، عن ابن عمر[1]۔

اور ایک اور نسخہ ابوالیمان کے پاس شعیب کی روایت سے تھا، جس کو انہوں نے نافع سے اور انہوں نے ابن عمر سے روایت کیا تھا۔

حضرت ابوہریرہؓ کے بیان میں گزر چکا ہے کہ ابوالیمان حکم بن نافع عن شعیب بن ابی حمزہ، عن ابی الزناد، عن الاعرج، عن ابی ہریرہ کی سند سے ایک نسخہ کی روایت کرتے تھے، اس کے علاوہ ان کے پاس حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی احادیث کا ایک نسخہ تھا، اس کو بھی وہ عن شعیب، عن نافع، عن ابن عمرؓ کی سند سے بیان کرتے تھے، نافع مولیٰ ابن عمر اپنے آقا کے علم کے ترجمان اور ناشر ہیں، ان سے شعیب بن ابوحمزہ دینار اموی نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی احادیث روایت کیں اور ان کو نسخہ کی شکل میں مرتب کیا، ان سے ابوالیمان حکم بن نافع نے اور ان سے بہت سے محدثین نے اس کی روایت کی، خلیلی کا بیان ہے:

---

[1] الکفایہ ص ۲۱۴

نسخۃ شعیب رواہا الائمۃ عن الحکم[1] — نسخۂ شعیب کی روایت ائمہ حدیث نے حکم بن نافع سے کی ہے۔

ایک مرتبہ امام احمد بن حنبلؒ نے ابوالیمان حکم بن نافع سے پوچھا کہ آپ نے شعیب بن ابوحمزہ سے ان کی کتابیں کس طرح پڑھی ہیں، انہوں نے بتایا کہ ان کی بعض کتابیں میں نے ان کے سامنے پڑھیں اور بعض کتابیں انہوں نے پڑھیں، اور بعض کتابیں مناولہ کے طور پر حاصل کیں، یہ سن کر امام احمدؒ نے کہا کہ آپ ان تمام کتابوں کی روایت میں اخبرنا شعیب کہا کریں۔[2]

جمیل بن زید طائی نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے براہ راست روایت نہیں کی ہے، مگر ان کی احادیث کا ایک مجموعہ تیار کیا تھا، وہ خود بیان کرتے ہیں:

ھذہ احادیث ابن عمر، ما سمعت من ابن عمر شیئاً انما قالوا اکتب احادیث ابن عمر فقدمت المدینۃ فکتبتھا[3]	یہ ابن عمر کی احادیث ہیں، میں نے ان کو ابن عمرؓ سے نہیں سنا ہے، لوگوں نے مجھ سے کہا کہ تم ابن عمرؓ کی حدیثوں کو لکھو تو میں نے مدینہ جاکر ان کو لکھا ہے۔

ابوبکر بن عیاش نے کہا ہے کہ جمیل بن زید طائی نے خود اعتراف کیا ہے کہ میں نے ابن عمرؓ سے کچھ نہیں سنا ہے، بلکہ لوگوں نے مجھ سے کہا کہ تم ابن عمرؓ کی حدیثوں کو لکھو تو میں نے مدینہ جاکر ان کو لکھا[4]

فقیہ حرم، عالم حجاز عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج مکی متوفی ۱۵۰ھ کے پاس حضرت ابن عمرؓ کی احادیث کا ایک مجموعہ نافع مولیٰ ابن عمر کی روایت سے تھا، وہ مکہ مکرمہ کے پہلے مصنف ہیں۔ انہوں نے اپنے کئی شیوخ کی احادیث و مرویات کو کتابی شکل میں مرتب کیا تھا، ان کا قول ہے:

۱؎ تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۴۴۳، ۲؎ " " ج ۲ ص ۴۴۲، ۳؎ تاریخ کبیر ج ۱ قسم ۲ ص ۲۱۵
۴؎ تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۱۱۴،

ما دون العلم تدوینی احدٌ	میری طرح کسی نے علم حدیث کو مدون نہیں کیا۔

ولید بن مسلم کا بیان ہے کہ میں نے اوزاعی اور دوسرے کئی اہل علم سے پوچھا کہ آپ لوگوں نے کس کے لئے علم حاصل کیا ہے؟ سب نے بتایا کہ اپنے لئے، البتہ ابن جریج نے کہا کہ میں نے لوگوں کے لئے علم حاصل کیا ہے، یحیی بن سعید قطان نے کہا ہے کہ ہم لوگ ابن جریج کی کتابوں کو کتب الامانۃ کہا کرتے تھے۔

انھوں نے ہشام بن عروہ کی احادیث کا ایک مجموعہ مرتب کیا تھا، ایک مرتبہ ہشام بن عروہ سے کہا کہ ابوالمنذر! جو صحیفہ میں نے فلاں عالم کو دیا ہے، وہ آپ کی حدیثوں کا ہے! تو ہشام بن عروہ نے اس کی تصدیق کی، ابن شہاب زہری کی احادیث کا بھی ایک مجموعہ ابن جریج کے پاس تھا، ان کا بیان ہے کہ میں نے زہری سے کچھ نہیں سنا ہے، البتہ انہوں نے اپنی احادیث کا ایک جزء مجھ کو دیا اور میں نے اس کو لکھ لیا، پھر مجھ کو اس کی روایت کی اجازت دے دی۔[1]

ابن جریج نے نافع کی روایت سے حضرت ابن عمرؓ کی احادیث بھی جمع کی تھیں، ان کا بیان ہے

اتیت نافعاً وطرح حقیبۃً فجلست علیہا فاملأ علیّ فی الواحی قال سمعت عبداللہ بن عمر یقول: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم[2]	میں نافع کے پاس گیا، انہوں نے زنبیل بچھادی اور میں اس پر بیٹھ گیا، اس کے بعد انہوں نے مجھے املا کرایا کہ میں نے عبداللہ بن عمرؓ سے سنا ہے وہ کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، اور میں نے اپنی تختیوں پر لکھا۔

رامہرمزی نے المحدث الفاصل میں ابن جریج کا یہ بیان ان ہی الفاظ میں نقل کیا ہے، البتہ اس میں حقیبہ کے بجائے جونہ کا لفظ ہے جو تھیلے اور زنبیل کے معنی میں ہے۔[3]

۱؎ تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۴۰۲، ۲؎ مسند حمیدی ج ۲ ص ۲۹۱، ۳؎ المحدث الفاصل ص ۶۰۲۔

مشہور تابعی اور مفسر قرآن سعید بن جبیرؒ نے براہ راست حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے احادیث کی روایت کر کے ان کو کتاب میں جمع کیا تھا، ان کا بیان ہے :

کنت اسمع من ابن عمرؓ و ابن	میں ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ سے رات میں حدیث
عباس الحدیث باللیل فاکتبہ	سنتا تھا تو کجاوے کی لکڑی پر لکھ لیتا تھا،
فی واسطۃ رحلی حتی اصبح	پھر صبح کو اس کو نقل کرتا تھا۔
فانسخہ۔[1]	

ابن جبیر کو اپنی ان کتابوں کے بارے میں شک وشبہ یا اختلاف ہوتا تھا وہ کوفہ سے مدینہ حضرت ابن عمر کے پاس آئے ان کا بیان ہے کہ :

کنا نختلف بالکوفۃ فی اشیاء	میں نے صحیفہ میں جو احادیث لکھی تھیں ان کی
کتبتھا فی صحیفۃ فاتیت ابن	بعض باتوں میں ہم لوگوں میں کوفہ میں اختلاف ہوتا پھر میں
عمر فجعلت اقرء واسألہ و	ابن عمر کے پاس آیا یہ حدیث پڑھتا اور اس کے
لو راھا کانت الفیصل بینی و	بارے میں ان سے سوال کرتا، حالانکہ اگر ابن
بینہ۔[2]	عمرؓ صحیفہ کو دیکھ لیتے تو اسی سے ہمارا فیصلہ ہوجاتا۔

ان کے اس بیان سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ انہوں نے حضرت ابن عمرؓ کی احادیث کو وافر تعداد میں صحیفہ میں جمع کر لیا تھا، اور اس کو بحفاظت رکھتے تھے اور اس میں کوئی شبہ یا اختلاف ہوا تو حضرت ابن عمرؓ کی خدمت میں آکر تحقیق کرلی۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ کی احادیث کے صحیفے اور نسخے

حبر الامت، ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی عمر وفات نبوی کے وقت دس یا تیرہ سال کی تھی، ان کا بیان ہے کہ

[1] المحدث الفاصل ص۳۶۱، و جامع بیان العلم ج ۱ ص۷۲ ، [2] المحدث الفاصل ص۳۷۹ و جامع بیان العلم ج ۱ ص۶۶

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد میں نے ایک انصاری دوست سے کہا کہ آؤ ہم صحابہ سے دین کا علم حاصل کریں، اس وقت یہ حضرات کثیر تعداد میں ہیں، اس نے کہا کہ سبحان اللہ کیا تم سمجھتے ہو کہ لوگ علم دین میں تمہارے محتاج ہوں گے، اس کے بعد وہ تو رک گیا، اور میں صحابہ کی خدمت میں جا کر علم دین حاصل کرنے لگا، اگر مجھے پتہ چل جاتا کہ کسی کے پاس کوئی حدیث رسول ہے، تو فوراً اس کے دروازے پر پہونچ جاتا، وہ دوپہر میں اندر آرام کرتا اور میں دروازہ پر چادر کا تکیہ لگا کر بیٹھ جاتا، سخت گرمی کا زمانہ ہوتا تھا، تیز ہوا کی وجہ سے دھول اور مٹی میرے اوپر گرتی تھی اور جب صاحب خانہ باہر آکر مجھے اس حال میں دیکھتا تو کہتا اے ابنِ عم رسول اللہ! آپ نے کیوں یہ تکلیف اٹھائی؟ مجھے کیوں نہیں بلا بھیجا، میں خود حاضر ہوجاتا، میں جواب دیتا کہ علم دین کی طلب میں مجھے آپ کے پاس آنا چاہئے، اس کے بعد اس سے حدیث معلوم کرتا تھا، بعد میں جب میرے انصاری دوست نے دیکھا کہ لوگ علم کے لئے میرے گرد جمع ہو رہے ہیں تو کہا کہ یہ جوان مجھ سے زیادہ عقلمند نکلا، میں انصار ومہاجرین کے اکابر صحابہ کی خدمت میں پڑا رہتا تھا اور ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مغازی اور ان کے بارے میں قرآنی آیات واحکام کے متعلق سوال کیا کرتا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عباس ان دینی معلومات واحادیث کو لکھ لیا کرتے تھے، ان کے پاس ایسے صحف ونسخ کا اچھا خاصا ذخیرہ جمع ہوگیا تھا عبیداللہ بن علی بن ابو رافع کا بیان ہے :

کان ابن عباس یاتی ابا رافعٍ	ابن عباسؓ میرے دادا ابو رافع کے پاس آکر
فیقول، ما صنع رسول اللہ صلی	ان سے معلوم کرتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
اللہ علیہ وسلم یوم کذا او	نے فلاں دن کیا کام کیا ہے؟ اور ان کے
مع ابن عباس من کان یکتب ما یقول[1]	ساتھ آدمی رہتا تھا جو لکھ لیا کرتا تھا۔

[1] الاصابہ ج ۴ ص ۹۱ و ۹۲ ،

حضرت ابن عباسؓ نے اپنی کتابوں کا بہت بڑا ذخیرہ جمع کیا تھا، ایک بیان کے مطابق ان کے پاس ایک اونٹ کے بار برابر کتابیں تھیں جن کو بعد میں ان کے غلام کریب بن ابومسلم نے مشہور امام مغازی موسیٰ بن عقبہ کے یہاں رکھا تھا، ان کا بیان ہے۔

وضع عندنا کریب حمل بعیر من کتب ابن عباس[1]	کریب نے ہمارے پاس ابن عباسؓ کی کتابوں میں سے ایک اونٹ کے بار برابر کتابیں رکھی تھیں۔

ابن سعد نے موسیٰ بن عقبہ سے اس کی تفصیل یوں بیان کی ہے کہ کریب نے ہمارے پاس ابن عباسؓ کی کتابوں میں ایک اونٹ کے بوجھ کے برابر کتابیں رکھی تھیں، اور ابن عباسؓ کے صاحبزادے علی بوقت ضرورت کریب کو لکھتے تھے کہ فلاں فلاں صحیفے میرے پاس بھیج دو، چنانچہ وہ علی بن عبداللہ بن عباس کی طلب کے مطابق کتابیں ان کے پاس بھیج دیتے اور ان کو لکھ کر واپس کرتے تھے اور دوسری کتاب منگاتے تھے۔[2]

کریب کے پاس بھی ایک تابوت یعنی صندوق میں حضرت ابن عباسؓ کی کتابیں تھیں جن سے وہ کام لیتے تھے، انہوں نے ایک مرتبہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی کہ میں نے ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی، آپ نے یہ دعا کی اللھم اجعل فی قلبی نوراً وفی سمعی نوراً وعن یمینی نوراً وعن یساری نوراً وفوقی نوراً وتحتی نوراً وامامی نوراً وخلفی نوراً واعظم لی نوراً، اس کے راوی سلمہ بن کہیل کہتے ہیں کہ اس کے بعد کریب نے کہا: "وسبعاً فی التابوت" یعنی ان کے علاوہ اور سات چیزوں کے بارے میں آپ نے دعا کی جو صندوق میں ہیں، میرے حافظہ میں نہیں ہیں۔ (الادب المفرد، باب دعاء النبی)

حضرت ابن عباسؓ کا مستقل قیام طائف میں تھا، وہاں ان کے تلامذہ کی بڑی تعداد تھی،

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۴۳۳، [2] طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۲۹۳۔

جن کے پاس ابن عباسؓ کی احادیث و مرویات کی کتابیں تھیں وہ لوگ ان کو ابن عباسؓ کے سامنے پیش کرکے ان سے تصدیق و توثیق کراتے اور ابن عباسؓ خود ان کو پڑھ کر روایت کی اجازت دیتے تھے، عکرمہ مولیٰ ابن عباسؓ کا بیان ہے:

ان نفراً قدموا علی ابن عباس من اھل الطائف بکتب من کتبہ، فجعل یقرء علیھم[1]	اہل طائف کی ایک جماعت ابن عباسؓ کے پاس ان کی کتابیں لائی تو آپ نے ان کے سامنے پڑھنا شروع کر دیا۔

ان بیانات سے ابن عباسؓ کی کتابوں کی کثرت اور ان کی اشاعت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

سعید بن جبیرؒ کے پاس ابن عمرؓ کی طرح ابن عباسؓ کی احادیث بھی تحریری شکل میں تھیں، ان کا یہ بیان گزر چکا ہے۔

کنت اسمع من ابن عمر، وابن عباس الحدیث باللیل فاکتبہ فی واسطۃ رحلی حتی اصبح فانسخہ[2]	میں ابن عمر اور ابن عباسؓ سے رات میں حدیث سنتا تھا تو کجاوہ کی لکڑی پر ٹانک لیا کرتا تھا اور صبح اس کو لکھ لیتا تھا۔

ان سے ایک روایت میں ہے کہ میں ابن عباسؓ کے ساتھ مکہ کے راستہ میں راتوں کو چلتا تھا اور وہ مجھ سے حدیث بیان کرتے تھے میں اس کو اپنے کجاوے کی لکڑی پر لکھ لیا کرتا تھا اور صبح کو نقل کر لیتا تھا۔[3] عثمان بن حکیم کا بیان ہے کہ سعید بن جبیر ابن عباس کے ہمسفر رہا کرتے تھے اور ان سے حدیث سن کر کجاوہ کی لکڑی پر ٹانک لیتے تھے اور جب کسی منزل پر اترتے تھے تو لکھ لیتے تھے۔[4]

---

[1] کتاب العلل، ترمذی بحوالہ تدوین حدیث ص ۶۲، [2] المحدث الفاصل ص ۶۰، [3] سنن دارمی ج ۱ ص ۶۵،
[4] جامع بیان العلم ج ۱ ص ۷۲۔

ابن جبیر حضرت ابن عباس کی احادیث کو ان کی مجلس میں بھی صحیفہ میں لکھا کرتے تھے، ان کا بیان ہے کہ میں ابن عباس کے پاس لکھا کرتا تھا، جب صحیفہ بھر جاتا تھا تو اپنے دونوں جوتوں کی پشت پر لکھتا تھا یہاں تک کہ وہ بھی بھر جاتی تھی۔[1]

طاؤس کہتے ہیں کہ میں اور سعید بن جبیر حضرت ابن عباسؓ کے یہاں جاتے، وہ ہم سے حدیث بیان کرتے تھے جس کو سعید بن جبیرؓ لکھ لیا کرتے تھے۔[2]

حضرت ابن عباسؓ کے پاس حضرت علیؓ کے قضایا کتابی شکل میں موجود تھے، ایک مرتبہ ابن ابی ملیکہ نے ان کو لکھا کہ آپ میرے لئے کوئی کتاب لکھ دیں جو میرے حق میں مفید ہو تو ابن عباس نے قضایا علی کی کتاب منگاکر ابن ابی ملیکہ کے لئے ان کو لکھا، مقدمہ صحیح مسلم میں اس کی تفصیل ہے[3]، حضرت ابن عباس کی طرف ایک کتاب غریب القرآن منسوب ہے جس کا نسخہ برلین میں ہے۔[4]

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی احادیث کا صحیفہ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ السابقون الاولون میں ہیں جو صاحب الہجرتین بھی ہیں، غزوہ بدر اور اس کے بعد تمام غزوات میں شریک رہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص اور صاحب النعل والوسادہ ہیں، ان سے بہت زیادہ احادیث مروی ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو دینی تعلیم کے لئے کوفہ بھیجا تو اہل کوفہ کو لکھا کہ میں نے ابن مسعودؓ کو تمہارے پاس بھیج کر اپنے اوپر تم لوگوں کو ترجیح دی ہے، تم ان سے علم حاصل کرو، ان کے بڑے مناقب اور فضائل ہیں، حضرت ابن مسعود کے پاس ان کی احادیث کا ایک نسخہ کتاب کی صورت میں تھا، جس کو انہوں نے خود لکھا تھا، ان کے پوتے معن بن عبدالرحمٰن کا بیان ہے کہ:

[1] المحدث الفاصل ص ۳۷۱ و طبقات ابن سعد ج ۶ ص ۱۷۹ [2] المحدث الفاصل ص ۳۷۱، [3] مقدمہ صحیح مسلم، [4] مجلۃ الازہر، ذوالحجہ ۱۳۹۹ھ ص ۲۳۹۵ء

عن معن قال: اخرج الی عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن مسعود کتاباً وحلف لی انہ خط ابیہ بیدہ۔[1]	میرے والد عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن مسعود نے میرے سامنے ایک کتاب نکالی اور قسم کھاکر کہا کہ یہ ان کے والد کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے۔

محدثین کے قول کے مطابق عبدالرحمٰن نے اپنے والد ابن مسعودؓ سے حدیث کا سماع نہیں کیا ہے کیونکہ ان کی عمر والد کے انتقال کے وقت صرف چھ سال کی تھی، اور بعض محدثین نے دو ایک حدیث کے سماع کا ذکر کیا ہے، اس لئے عبدالرحمٰن اس کتاب کی روایت وجادت کے طور پر کرتے رہے ہونگے ان کے لڑکے معن بن عبدالرحمٰن کوفہ کے قاضی، علم کے جامع اور پرہیزگار عالم تھے، اور ان کے لڑکے قاسم بن معن بھی کوفہ کے قاضی، نہایت ثقہ محدث وفقیہ تھے، ان کو اپنے زمانہ کا شعبی کہا جاتا تھا، اغلب یہی ہے کہ یہ سب حضرات اس کتاب کی روایت کرتے رہے ہوں گے،

حضرت جابر بن عبداللہؓ کی احادیث کے نسخے

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرنے والے مکثرین صحابہ میں سے ایک ہیں، بیعت عقبہ میں اپنے والد کے ساتھ تھے، بدر واحد کے غزوات میں صغر سنی کی وجہ سے شریک نہیں ہو سکے، ان کے علاوہ تمام غزوات میں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے، حضرت جابر کے شاگرد ان کی احادیث کو صحیفوں اور نسخوں میں لکھتے تھے اور ان سے ان کی روایت کرتے تھے۔

حضرت عقیل کے پوتے عبداللہ بن محمد اور حضرت حسین کے پوتے ابو جعفر محمد الباقر دونوں حضرت جابرؓ سے احادیث لکھتے تھے۔

[1] جامع بیان العلم ج ۱ ص ۷۲۔

عن عبد الله بن محمد بن عقيل قال: كنت اذهب انا وابو جعفر الى جابر بن عبد الله ومعنا الواح صغار نكتب فيها الحديث[1]

عبداللہ بن محمد بن عقیل نے بیان کیا ہے کہ میں اور ابوجعفر دونوں جابر بن عبداللہ کے پاس جاتے تھے، ہمارے پاس چھوٹی چھوٹی تختیاں ہوتی تھیں جن میں حدیث لکھتے تھے۔

عاصم بن عمر بن قتادہ کے پاس حضرت جابر کی احادیث کا ایک صحیفہ تھا، جس کی تصدیق امام شعبی نے کی، انہوں نے یہ نسخہ حضرت جابر سے سن کر لکھا تھا۔

عاصم قال: عرضنا على عامر صحيفة كتبت عن جابر بن عبد الله، فقال: قد سمعت هذا كله من جابر رضي الله عنه[2]

عاصم کا بیان ہے کہ ہم نے عامر شعبی کے سامنے ایک صحیفہ پیش کیا جس کو میں نے جابر بن عبداللہ سے لکھا تھا، عامر نے دیکھ کر کہا کہ اس کی تمام روایات میں نے حضرت جابرؓ سے سنی ہیں۔

حضرت جابر کے تلامذہ میں ابوسفیان طلحہ بن نافع قرشی کے پاس بھی ان کی احادیث کا ایک صحیفہ تھا جس کی وہ روایت کرتے تھے، ابن عیینہ، وکیع اور شعبہ کا قول ہے کہ:

حديث ابي سفيان عن جابر انما هي صحيفة[3]

حضرت جابر کی احادیث ابوسفیانؒ کی روایت سے کتاب کی ہیں۔

بصرہ کے اہل علم کے پاس حضرت جابرؓ کا یہ صحیفہ تھا، جس کو حسن بصری نے ان سے لے کر روایت کی۔

[1] تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۳۷، [2] المحدث الفاصل ص ۴۳، [3] الکفایہ ص ۳۵۴ و تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۲۷

قال التيمي: ذهبوا بصحيفة جابر الى الحسن فرواها، او قال: اخذها۔[1]

تیمی کا بیان ہے کہ کچھ لوگ صحیفہ جابر کو حسن بصری کے پاس لے گئے تو انہوں نے اس کی روایت کی، یا اس کو لے کر رکھ لیا۔

ایک مرتبہ حسن بصری سے لوگوں نے دریافت کیا کہ ابوسعید! جو حدیثیں آپ ہم سے بیان کرتے ہیں کس کی روایت سے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا۔

صحيفة وجدناها۔[2]

ایک صحیفہ سے جس کو ہم نے پایا ہے۔

غالباً اس سے مراد صحیفۂ جابر ہے۔

حضرت جابرؓ کے پاس ان کی احادیث کا ایک صحیفہ تھا اور ان کے تلامذہ ان سے اس کی روایت کرتے تھے۔ سلیمان بن قیس یشکری کے تذکرہ میں ابوحاتم نے کہا ہے:

جالس جابراً، وكتب عنه صحيفة وتوفي، وروى ابو الزبير، وابو سفيان، والشعبي عن جابر، وهم قد سمعوا من جابر، واكثره من الصحيفة[3]

سلیمان بن قیس نے جابر کی مجلس درس میں ان سے سنکر صحیفہ لکھا، اور ابوالزبیر، ابوسفیانؒ اور شعبی نے جابر سے روایت کی، ان لوگوں نے جابر سے حدیث کا سماع کیا، جس کا اکثر حصہ صحیفہ سے تھا۔

اس صحیفۂ جابر کی اہمیت کا حال یہ تھا کہ ائمہ حدیث قرآن کی طرح اس کو یاد کرتے تھے، امام احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ قتادہ بن دعامہ کا حافظہ علمائے بصرہ میں سب سے قوی تھا جو بات بھی سنتے تھے یاد کر لیتے تھے، میں نے ایک مرتبہ ان کے سامنے صحیفہ جابر کو پڑھا اور انہوں نے یاد کر لیا۔[4] ایک مرتبہ قتادہ بن دعامہ نے سعید بن ابوعروبہ سے کہا کہ آپ قرآن دیکھتے ہیں

[1] الکفایہ ص ۳۵۴، [2] ایضاً [3] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۲۱۵ [4] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۱۶، والجرح والتعدیل ج ۳ قسم ۲ ص ۱۳۵

پڑھتا ہوں چنانچہ اس طرح پوری سورۂ بقرہ سنائی اور ایک حرف کی بھی غلطی نہیں کی، اس کے بعد قتادہ نے سعید بن عروبہ سے کہا کہ ابو نضر! میں صحیفۂ جابر کا سورۂ بقرہ سے زیادہ حافظ ہوں[1]۔ ابن حجر نے اس واقعہ کو تفصیل سے یوں بیان کیا ہے کہ قتادہ نے سعید بن ابو عروبہ سے کہا کہ آپ مصحف ہاتھ میں لیں، اس کے بعد قتادہ نے سورۂ بقرہ کی تلاوت کی جس میں ایک حرف کی بھی غلطی نہیں کی، اور کہا کہ ابو النضر! میں نے صحیح پڑھا؟ سعید بن ابو عروبہ نے اثبات میں جواب دیا تو کہا کہ میں سورۂ بقرہ سے زیادہ صحیفۂ جابر کا حافظ ہوں، ابن حجر نے آخر میں لکھا ہے۔

وکانت قرئت علیہ[2]۔	صحیفہ جابر قتادہ بن دعامہ سے پڑھا گیا تھا۔

حضرت جابرؓ کے تلامذہ میں عبدالرحمٰن بن سابط جمحی مکی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مرسل احادیث کی روایت کی ہے، نیز متعدد صحابہ سے روایت کی ہے، ان کے پاس حضرت جابرؓ حدیث لکھتے تھے، ربیع بن سعد کا بیان ہے:

رأیت جابراً یکتب عند ابن سابط فی الواح[3]۔	میں نے حضرت جابر کو دیکھا کہ ابن سابط کے یہاں تختیوں پر لکھتے تھے۔

حضرت جابر نے مناسکِ حج پر احادیث کا ایک مختصر سا مجموعہ تیار کیا تھا جو صحیح مسلم میں موجود ہے[4]۔

حضرت انس بن مالک کی احادیث کے صحیفے اور نسخے

حضرت انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ بھی احد المکثرین ہیں، دس سال کی عمر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر باش رہے، لکھنا بھی جانتے تھے، بعد میں اپنے لڑکوں کو احادیث لکھنے کی تاکید کرتے تھے، نضر اور موسیٰ دونوں لڑکوں کا بیان ہے کہ والد ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور آثار کے

[1] تاریخ کبیر ج ۴ ص ۱۸۶، [2] تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۳۵۳، [3] جامع بیان العلم ج ۱ ص ۷۲، [4] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۴۱

لکھنے اور ان کے حاصل کرنے کا حکم دیتے تھے، اور کہتے تھے کہ ہم اس شخص کے علم کو علم نہیں سمجھتے تھے جو اس کو نہیں لکھتا تھا[1]۔ ابن عبدالبر نے بھی حضرت انسؓ سے روایت کی ہے کہ وہ اپنے لڑکوں کو حدیث کی کتابت کی تاکید کیا کرتے تھے[2]۔

حضرت انسؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو صحیفہ کی شکل میں جمع کر کے آپ کو سنا دیا تھا اور بعد میں اس کی روایت کرتے تھے، اس صحیفہ کے علاوہ بھی حضرت انسؓ اپنے معاصر صحابہ سے کوئی حدیث سنتے تھے اور اس میں ندرت ہوتی تو لکھ لیا کرتے تھے، محمود بن ربیع بیان کرتے ہیں:

لما حدث عتبان بن مالكؓ	ایک مرتبہ عتبان بن مالکؓ نے حدیث بیان
قال انس: فاعجبنی الحدیث	کی تو حضرت انسؓ نے کہا کہ مجھے اچھی لگی،
فقلتُ له: اكتبه؟ قال:	اور میں نے عتبان سے کہا کہ میں اس کو لکھ
اكتبه[3]۔	لوں؟ انہوں نے کہا کہ لکھ لو۔

یہ واقعہ صحیح مسلم میں تفصیل سے ہے، اس میں حضرت انسؓ کا قول ہے کہ فقلت لابنی اكتبه "فكتبه" یعنی میں نے اپنے لڑکے سے کہا کہ اس کو لکھ لو اور انہوں نے لکھا۔

عتبان بن مالک بن عمرو انصاری سلمی رضی اللہ عنہ اصحاب بدر میں سے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اور حضرت عمرؓ کے درمیان ...... مواخاۃ فرمائی تھی، ان سے حضرت انسؓ نے روایت کی ہے۔

صحیفہ انس کا تذکرہ کتابوں میں متعدد تابعین اور ائمہ حدیث سے منقول ہے، رامہرمزی نے لکھا ہے۔

[1] شرف اصحاب الحدیث خطیب بغدادی ص ۹۷ (ترکی) [2] جامع بیان العلم ج ۱ ص ۷۲، [3] المحدث الفاصل ص ۳۶۸ و ۳۷۰

عن هبيرة بن عبد الرحمن[1] قال: كنا اذا اكثرنا على انس بن مالك القى الينا مخلاة، فقال: هذه احاديث كتبتها عن رسول الله صلى الله عليه وسلم.[1]

ہبیرہ بن عبد الرحمٰن نے بیان کیا ہے کہ جب ہم لوگ حضرت انس سے زیادہ حدیث کے لئے اصرار کرتے تھے تو وہ ہمارے سامنے تھیلا لا کر ڈالتے تھے اور کہتے تھے کہ ان احادیث کو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لکھا ہے۔

ہبیرہ بن عبد الرحمٰن سے امام بخاریؒ نے یہ واقعہ یوں نقل کیا ہے۔

كنا اذا اكثرنا على انس، القى الينا سجلا، فقال: هذه احاديث كتبتها من النبى صلى الله عليه وسلم ثم عرضتها عليه[2]

جب ہم حضرت انس سے زیادہ حدیث کے لئے اصرار کرتے تھے تو ہمارے سامنے تھیلا ڈال دیتے تھے اور کہتے تھے کہ ان احادیث کو میں نے ...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لکھا ہے، پھر ان کو آپ کے سامنے پیش کیا ہے

سیوطی نے حضرت انس کے دوسرے شاگرد یزید رقاشی سے یوں روایت کی ہے۔

كنا اذا اكثرنا على انس بن مالك، اتانا بمحال له، فالقاها الينا، وقال: هذه احاديث سمعتها من رسول الله صلى الله

جب ہم حضرت انسؓ سے زیادہ حدیث کے لئے اصرار کرتے تھے تو ہمارے سامنے تھیلا لاکر ڈال دیتے تھے اور کہتے تھے کہ ان حدیثوں کو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

---

۱ المحدث الفاصل ص ۳۶۷ ، ۲ تاریخ کبیر ج ۴ قسم ۲ ص ۲۴۰

عليه وسلم وكتبتها وعرضتها[1]

سنا ہے اور لکھ کر ان کو پیش کیا ہے۔

ان روایات میں سے کسی میں احادیث کے لکھنے کسی میں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سماع اور کسی میں آپ کے سامنے پیش کرنے کی تصریح ہے، اس لئے ہم نے سب کو نقل کر دیا ہے، اسی طرح کسی میں مخلاۃ کسی میں سجل اور کسی میں محال کا ذکر ہے، اور یہ سب الفاظ قریب المعنی ہیں۔ حضرت انس کے صحیفہ اور ان کی احادیث و مرویات کو ائمہ حدیث میں بڑی مقبولیت حاصل تھی اور وہ ان کو لکھ لیا کرتے تھے۔ یزید رقاشی کہتے ہیں کہ میں نے عمر بن عبد العزیز کی معیت میں حج کیا اور ان سے حضرت انسؓ کی حدیثیں بیان کیں جن کو انہوں نے لکھ لیا اور مجھ سے کہا کہ اس وقت میرے پاس تم کو دینے کے لئے مال نہیں ہے، البتہ میں تمہارا وظیفہ مقرر کر دوں گا، چنانچہ انہوں نے میرے لئے چار سو درہم ماہانہ وظیفہ مقرر کر دیا۔[2]

حضرت عمرو بن حزم کی احادیث کے صحیفے اور نسخے

حضرت عمرو بن حزم انصاری رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجران کا امیر بنا کر روانہ فرمایا تاکہ وہاں مسلمانوں کو دین اور قرآن کی تعلیم دیں اور زکوٰۃ وصول کریں، اس وقت ان کی عمر صرف سترہ سال کی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے نام ایک مفصل مکتوب روانہ فرمایا جس میں فرائض، زکوٰۃ، دیت اور دوسرے دینی احکام و مسائل کی تفصیل تھی، یہ مکتوب احادیث کی کتابوں میں موجود ہے۔

حضرت عمرو بن حزمؓ نے اس مکتوب نبوی کے ساتھ دیگر اکیس ۲۱ مکاتیب جمع کئے تھے جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی عادیا، بنی عریض، تمیم داری، جہینہ، جذام، طے، اور ثقیف وغیرہ قبائل کے نام روانہ فرمایا تھا، اس مجموعہ کی روایت ابو جعفر دیبلی سندھیؒ نے کی ہے، اور ابن طولون نے اپنی کتاب اعلام السائلین عن کتب سید المرسلین میں ان سب کو نقل کر دیا ہے۔[3]

---

۱ تدریب الراوی ص ۲۶۹ ، ۲ المحدث الفاصل ص ۳۷۲ ، ۳ مقدمہ صحیفہ ہمام بن منبہ ص ۱۳

ان کے پوتے ابوبکر محمد بن عمر ابن حزم انصاری کو حضرت عمر بن عبدالعزیز نے مدینہ منورہ کا قاضی بنا کر حکم دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو تلاش کر کے جمع کر دیں، چنانچہ انھوں نے اس حکم کی تعمیل کی اور احادیث کا بہت بڑا ذخیرہ تیار کیا، اسی درمیان میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کا انتقال ہو گیا اور وہ ذخیرۂ احادیث ضائع ہو گیا، امام مالکؒ کا بیان ہے کہ ہمارے یہاں مدینہ میں ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم سے زیادہ کوئی شخص علم قضا کا جاننے والا نہیں تھا، عمر بن عبدالعزیز نے ان کو قاضی مقرر کیا تھا، اور ان کو لکھا ہے کہ عمرۃ بنت عبدالرحمٰن اور قاسم بن محمد کی احادیث لکھیں، چنانچہ انہوں نے کتابوں میں ان کو جمع کیا۔

فسألت ابنه عبد الله	میں نے ان کے لڑکے عبداللہ بن ابوبکر
بن ابی بکر عن تلک الکتب	سے ان کتابوں کے بارے میں سوال کیا تو
فقال: ضاعت[1]	انہوں نے کہا کہ ضائع ہو گئیں۔

افسوس کہ بہت سے صحابہؓ کی احادیث کی طرح عبداللہ بن ابوبکر کے پردادا حضرت عمرو بن حزم کی احادیث بھی ان کتابوں کے ساتھ ضائع ہو گئیں۔

حضرت معاذ بن جبل کی احادیث کے صحیفے اور نسخے

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ جماعت صحابہ میں حلال و حرام کے سب سے بڑے عالم تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یمن کا امیر بنایا تھا، اور آپ کی وفات کے بعد وہاں سے واپس آئے، بعد میں مستقل قیام ملک کے شہر حمص میں تھا، ابو مسلم خولانی کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ حمص کی مسجد میں گیا، جہاں تقریباً تیس عمر رسیدہ صحابہ موجود تھے، ان میں ایک خوبصورت نوجوان خاموش بیٹھا تھا، اور جب یہ حضرات کسی مسئلہ میں بحث کرتے تو اسی نوجوان کی طرف رجوع ہوتے تھے مجھے بتایا گیا

۱؎ تہذیب التہذیب ج ۱۲ ص ۳۹

کہ یہ معاذ بن جبل ہیں، ابو بحریہ کا بیان ہے کہ میں حمص کی مسجد میں گیا، وہاں ایک خوبصورت جوان تھا، لوگ اس کے گرد حلقہ لگائے بیٹھے تھے، جب وہ جوان بات کرتا تو گویا اس کے منہ سے نور اور موتی جھڑتا تھا، لوگوں نے بتایا کہ یہ معاذ بن جبل ہیں۔

حضرت معاذ بن جبل کے کئی تلامذہ نے ان مرویات و احادیث کو صحیفہ اور نسخہ کی شکل میں جمع کیا تھا، اور وہ ان کی روایت کرتے تھے، ابن عائذ کا بیان ہے۔

وجدنا فی نسخة عن معاذ	ہم نے ایک نسخہ میں جو معاذ بن جبل سے مروی
بن جبل، ان النبی صلی اللہ	ہے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
علیہ وسلم نهی ان یدخل	ایسی عورتوں کے پاس تنہا جانے سے منع
علی المغیبات[1]	فرمایا ہے، جن کے شوہر غائب ہیں۔

عبدالرحمٰن بن عائذ ثمالی حمصی نے حضرت معاذ بن جبل کے علاوہ کئی کبار صحابہ سے روایت کی ہے، ان کے پاس نسخۂ معاذ بن جبل کے علاوہ دوسرے حضرات کی احادیث کتابی شکل میں موجود تھیں جن پر علمائے حمص کو اعتماد تھا، ثور بن یزید سے روایت ہے۔

کان اهل حمص یاخذون	اہل حمص ان کی کتابیں لے کر دیکھتے تھے اور
کتبه، فما وجدوا فیها من	احکام کے بارے میں جو احادیث پاتے تھے ان
الاحکام اعتمدوه[2]	پر اعتماد کرتے تھے۔

معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت معاذ بن جبل حلال و حرام کے سب سے بڑے عالم تھے، اس لئے اہل علم ان کی احادیث و مرویات پر اعتماد کرتے تھے۔

عبدالرحمٰن بن غنم اشعری حضرت معاذ بن جبل کے علم کے خصوصی حامل و ناشر ہیں۔ ان

۱؎ المحدث الفاصل ص ۴۹۸، ۲؎ تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۲۰۴

سے میسرہ نامی ایک راوی نے حضرت معاذ بن جبل کی احادیث کتاب میں لکھی تھیں۔

محمد بن نجار کا بیان ہے:

قرأت فی کتاب میسرة عن عبد الرحمٰن ابن غنم، عن معاذ بن جبل قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: من اصابته مصیبة فخرق جیبا فقد خرق دینه[1]	میں نے میسرہ کی کتاب میں پڑھا ہے کہ عبد الرحمٰن بن غنم نے معاذ بن جبل سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس شخص کو کوئی مصیبت پہونچے اور وہ اپنا گریبان پھاڑے تو اس نے اپنا دین پھاڑا۔

شاید یہاں میسرہ سے مراد میسرہ مولیٰ فضالہ بن عبید شامی دمشقی ہوں جن کو ابو زرعہ دمشقی نے تابعین کے طبقہ علیا میں شمار کیا ہے۔

حضرت سمرہ بن جندب کی احادیث کا نسخہ

حضرت سمرہ بن جندب بن ہلال فزاری رضی اللہ عنہ قبیلہ انصار کے حلیف تھے، غزوۂ احد میں پہلے ان کو صغر سنی کی وجہ سے شرکت کی اجازت نہیں ملی مگر انہوں نے اپنے ہم عمر رافع بن خدیج کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کشتی میں پچھاڑ دیا تو آپ نے ان کو بھی شرکت کی اجازت مرحمت فرمائی، ان کا بیان ہے کہ

كنت غلاما على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم فكنت احفظ عنه۔	میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لڑکا تھا، اور آپ سے سن کر احادیث یاد کر لیتا تھا۔

حضرت سمرہ بعد میں بصرہ میں آباد ہو گئے تھے، انہوں نے اپنے صاحبزادوں سلیمان

[1] المحدث الفاصل ص ۴۹۵۔

اور سعد کے لئے احادیث و آثار کا ایک بڑا مجموعہ تیار کیا تھا جس کے متعلق محمد بن سیرین کا قول ہے۔

فی رسالة سمرة الی بنیه علم کثیر[1]	سمرہ کے رسالہ میں جو ان کے دونوں لڑکوں کے نام ہے بہت زیادہ علم ہے۔

اس رسالہ یا نسخہ کی روایت حضرت سمرہ کے خاندان میں نسلاً بعد نسل ہوتی رہی چنانچہ ان سے ان کے بیٹے سلیمان نے اور سلیمان سے ان کے بیٹے اور علی بن ربیعہ والبی نے کی، ابن حجر نے لکھا ہے۔

"سلیمان بن سمرہ نے اپنے والد سے ایک بڑے نسخہ کی روایت کی ہے اور ان سے ان کے بیٹے خبیب بن سلیمان اور علی بن ربیعہ والبی نے روایت کی ہے[2]"

ابو سلیمان خبیب بن سلیمان بن سمرہ کے تذکرہ میں تصریح ہے، روی عن ابیه عن جده نسخة وعنه ابن عمه جعفر بن سعد بن سمرة بن جندب[3]۔

علی بن ربیعہ والبی کوفی نے حضرت سمرہ سے حدیث کی روایت کی ہے، اور ان کے بیٹے سلیمان بن سمرہ سے اس نسخہ کی روایت کی ہے۔ اور ابو محمد جعفر بن سعد بن سمرہ کے ذکر میں تصریح ہے کہ انہوں نے خبیب بن سلیمان سے اس نسخہ کی روایت کی ہے[4]۔ ان سے ان کے بیٹے مروان بن جعفر نے خبیب کے پوتے محمد بن ابراہیم سے اس کی روایت کی ہے، امام بخاری نے تاریخ کبیر میں اس کی سند اور ابتدا یوں بیان کی ہے:

قال مروان بن جعفر: اخبرنا محمد بن ابراهيم بن خبيب بن سليمان عن جعفر بن سعد بن سمرة، عن سليمان، عن ابيه، عن سمرة بن جندب:

بسم الله الرحمن الرحيم، من سمرة بن جندب الى بنيه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يامرنا ان نصلي كل ليلة بعد المكتوبة ما قل او كثر ونجعلها وترا[5]

[1] الاصابہ جلد ۳ ص ۱۳۰، [2] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۱۹۸، [3] ایضاً ج ۳ ص ۳۵، [4] ایضاً ج ۲ ص ۹۳، [5] تاریخ کبیر ج ۲ قسم اول ص ۲۶

ملّا جیون امیٹھوی اور ان کی تفسیر احمدی

از
محمد عارف اعظمی عمری رفیق دارالمصنفین

ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں اورنگ زیب عالمگیر کا عہد مختلف حیثیتوں سے بڑی اہمیت کا حامل ہے، اس میں نہ صرف یہ کہ پورا ملک مختلف ریاستوں کے بجائے ایک مستحکم اقتدار کے تحت منظم اور متحد ہوا بلکہ اس عہد میں اسلامی علوم و فنون کو بھی بڑا فروغ حاصل ہوا۔ تفسیر و حدیث و فقہ و کلام کے ماہرین کی ایک جماعت موجود تھی۔ ملّا جیون امیٹھوی کا تعلق بھی اسی دور کے فضلا میں ہے، یہ اپنے علمی تبحر، فقہی بصیرت، غیر معمولی قوت حافظہ تقوی اور اخلاص و سادگی کی بنا پر اپنے معاصرین میں نمایاں اور ممتاز ہیں۔

نام و نسب اور خاندان

ملا جیون کا اصل نام احمد تھا، مگر یہ اپنے عرف جیون سے مشہور ہوئے، انہوں نے اپنی کتاب "مناقب الاولیاء" میں جو اُن کے خاندانی بزرگوں کے علاوہ خود ان کی زندگی کے ستر سالہ دور کے واقعات و حالات پر مشتمل ہے، اپنا نام جین لکھا ہے[1]۔ لفظ جیون یا جیو ہندی الاصل ہے، جس کے معنی حیات و زندگی کے ہیں، غالباً یہ کوئی دعائیہ کلمہ تھا جو ان کے نام کا مستقل جز بن گیا تھا۔

ملّا صاحب کا خاندان سرکار اودھ کے قدیم علمی خانوادوں میں سے تھا ان کا سلسلۂ نسب شیخ عبداللہ مکی رح سے ملتا ہے جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ حضرت صالح علیہ السلام کی نسل سے تھے[2]۔

[1] خود نوشتہ سوانح عمری (مناقب الاولیاء) قلمی دارالمصنفین، ورق ۳۲ [2] ایضاً ورق ۲

ملاجیون نے شیخ عبداللہ مکی رح تک اپنے شجرہ نسب کا خود ذکر کیا ہے[1]۔ اور اسے ایک محقق شجرہ بتایا ہے[2]۔ مولف حدائق الحنفیہ نے ملاجیون کے خاندان کا مورث اعلیٰ حضرت ابوبکر صدیق رض کو بتایا ہے[3]۔ مگر ملاجیون کے قول سے واضح ہوتا ہے کہ یہ نسبت خاندانی نہ تھی بلکہ اس کا تعلق اس خلافت سے تھا جو بعض روایات کے مطابق شیخ مکی کو خلیفہ اول سے حاصل تھی[4]۔ ملاجیون نے اپنے خاندانی بزرگوں میں اپنے والد کے علاوہ مندرجہ ذیل اجداد کا بھی مفصل تذکرہ قلمبند کیا۔

ملا ابوسعید (والد ملاجیون) بن عبداللہ بن عبدالرزاق بن مخدوم خاصۂ خدا۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس خاندان میں علم و تقوی کا سلسلہ کئی پشتوں پہلے سے چلا آرہا ہے۔ ملّا جیون کے والد ملّا ابوسعید متوفی ۱۰۶۱ھ متقی اور پرہیزگار عالم تھے۔ راہ چلتے تو چہرہ پر نقاب ڈال لیتے کہ کسی غیر محرم پر نگاہ نہ پڑے، تقوی کا یہ عالم تھا کہ استنجا کے کلوخ بھی کسی دوسرے کی زمین سے مالک کی اجازت کے بغیر نہیں لیتے تھے۔ اکثر روزہ سے رہتے اور درس و تدریس میں مشغول رہا کرتے تھے[5]۔ والدہ ماجدہ بادشاہ عالم گیر کے میر آتش عبداللہ عرف نواب عزت خاں امیٹھوی کی ہمشیرہ تھیں[6]۔

ولادت اور تعلیم و تربیت

ملّا جیون سہ شنبہ کے دن صبح صادق کے وقت ۲۵ ر شعبان المعظم ۱۰۴۷ھ / ۱۶۳۷ء کو قصبہ امیٹھی ضلع لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم و تربیت والد بزرگوار ملا ابوسعید سے حاصل کی۔ پھر شیخ محمد صادق سترکھی[7] اور مولانا لطف اللہ کوڑہ جہاں آبادی سے عقلی و نقلی علوم کی تحصیل کی[8]۔ لکھنؤ کے مفتی محمد سعید الحسنی سے بھی تلمذ کا فخر حاصل تھا۔ اسی لئے

[1] ایضاً و صبح بہار مؤلفہ خادم حسین ص ۱-۲ [2] صبح بہار ص ۲ [3] بحوالہ مآثر الکرام، آزاد بلگرامی ص ۲۱۶
[4] خود نوشت سوانح عمری ورق ۲ [5] خود نوشت سوانح عمری ورق ۲۸ [6] صبح بہار منقول از مناقب الاولیاء ص ۴۳ دارالمصنفین میں محفوظ مناقب الاولیاء کے قلمی نسخہ میں بہت تلاش و جستجو کے باوجود یہ حصہ مجھے نہیں ملا۔ [7] خود نوشت ورق ۳۲ و ۳۳ [8] خزینۃ الاصفیاء ج ۲ ص ۳۶۵، مآثر الکرام ص ۲۵۰۔

ان کے فرزند ملا عبد القادر نے مفتی صاحب کے فرزند مفتی تابع محمد کو ملا جیون کا استاد زادہ بتایا ہے[1]۔ ان کی مزید تعلیمی سرگزشت کا حال خود انہی کی زبانی ملاحظہ ہو، لکھتے ہیں:

"سات سال کی عمر میں اپنے والد کی صحبت کے اثر سے قرآن مجید کا حافظ ہو گیا، اس عمر میں باوجودیکہ قواعد تہجی اور اعراب مہملہ و منقوطہ سے واقفیت نہ تھی، تاہم خدا کے فضل سے پورا قرآن مجید الفاظ و معنی کے ساتھ یاد ہو گیا اور علم صرف نحو سے واقفیت کے بغیر بھی اس کے اکثر مقامات پر معانی سے آشنا ہو گیا۔ یہی حال دوسرے علوم وفنون کی کتابوں کا بھی تھا۔ گو ان کے مطالعہ میں تقدیم و تاخیر کی رعایت ملحوظ نہ تھی، پھر بھی اللہ کے فضل و کرم سے ہر کتاب کا مفہوم سمجھ لیتا تھا۔"[2]

اس سے ان کی ذہانت و قوتِ حافظہ کا اندازہ ہوتا ہے۔

تصنیفی زندگی کا آغاز

ملا جیون کو علم و تعلیم اور درس و تدریس سے خاص مناسبت تھی مگر تصنیف و تالیف کا ذوق بھی انہیں خاندانی ورثہ کے طور پر ملا تھا، ان کے خاندان میں شیخ علم اللہ بڑے پایہ کے بزرگ اور صاحب تصانیف تھے[3]۔ یہی وجہ ہے کہ ملا جیون نے بھی کم سنی ہی میں تالیف و تصنیف کا سلسلہ شروع کر دیا، لکھتے ہیں:

"تیرہ[13] سال کی عمر ہوئی تو والد ماجد کا انتقال ہو گیا، اسی عمر میں "آداب احمدی" لکھی جو علم سلوک میں ہے، اور خطباتِ جمعہ و عیدین بھی فصیح و بلیغ عربی میں لکھا۔ اپنے دادا شیخ عبید اللہ اور ان کے بڑے بھائی شیخ علم اللہ کے مسودات کو مرتب کیا۔ سولہ سال کی عمر میں جب کہ حسامی پڑھ رہا تھا تفسیر احمدی شروع کی اور تھوڑے ہی عرصہ میں اس سے فارغ ہو گیا۔ غرض ۲۲ سال کی عمر میں علوم معقولات و منقولات کی تحصیل سے فراغت حاصل کر لی۔"[4]

۱؎ خود نوشت ورق ۳۷ ۲؎ ایضاً ورق ۳۲ ۳؎ ایضاً ورق ۱۸ ۴؎ ایضاً ورق ۳۳

ان کے اس بیان سے ان کی ذہانت و عبقریت کا اندازہ ہوتا ہے۔ جس کا اعتراف دوسرے تذکرہ نگاروں نے بھی کیا ہے۔ میر غلام علی آزاد بلگرامی لکھتے ہیں:

"حافظہ بڑا قوی تھا۔ درسی کتابوں کے کئی کئی صفحے بغیر اصل کتاب کو دیکھے ہوئے پڑھتے جاتے۔ لمبے لمبے قصیدے ایک دفعہ سن کر یاد کر لیتے تھے۔"[1]

درس و تدریس کا مشغلہ

تعلیم سے فراغت کے بعد ۲۲ سال کی عمر میں ملا جیون اپنے وطن امیٹھی میں اپنے آبائی مشغلہ درس و تدریس میں مشغول ہوئے[2]۔ اور یہ سلسلہ ۱۰۸۷ھ/۱۶۷۶ء تک جاری رہا اس مدت میں بے شمار طالبانِ علم ان سے مستفید ہو کر درجہ کمال کو پہونچے۔ اسی زمانے میں احمد بن ابی المنصور، گوپاموئی جو فتاویٰ عالمگیری کے مولفین میں ہیں اور مفتی تابع محمد مفتی لکھنوی نے ان سے اکتساب فیض کیا۔ درس و تدریس سے اشتغال کے دوران انھوں نے علم تجوید و قرأت میں شاطبی کے منتخبات کا ایک مجموعہ بھی مرتب کیا تھا[3]۔

تصوف و سلوک

زمانۂ درس و تدریس میں ملا جیون کو تصوف و سلوک سے بھی دلچسپی تھی۔ چنانچہ انھوں نے نقشبندی، چشتی اور قادری سلسلوں کے بزرگوں کی خدمت میں حاضری دی۔ اور ان سے اوراد و وظائف سیکھے، اپنے استاد و شیخ محمد صادق سترکھی سے قادری اور چشتی سلسلہ میں بیعت ہوئے اور ان سے اجازت بھی حاصل کی[4]۔

دہلی و اجمیر کا سفر

۱۰۸۷ھ/۱۶۷۶ء میں چالیس سال کی عمر میں انہوں نے پہلی مرتبہ اجمیر اور دہلی کا سفر کیا۔ دہلی میں انہوں نے تقریباً پندرہ سال گزارے۔ اس دوران میں بھی درس و تدریس کا سلسلہ قائم رہا، اور ہزاروں تشنگانِ علم ان کے چشمۂ علم و فضل سے سیراب ہوئے[5]۔ قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ اس عرصہ میں شاہی خاندان اور امراء کے صاحبزادگان بھی ان کے حلقۂ درس میں شریک ہوتے رہے۔

۱؎ سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان ص ۲۰۵ ۲؎ خود نوشت ورق ۲۳ ۳؎ ایضاً ۴؎ ایضاً ۵؎ ایضاً۔

حج بیت اللہ اور نورالانوار کی تالیف

دہلی میں قیام کے دوران ملا جیون کو حج بیت اللہ اور روضۂ نبوی کی زیارت کا اشتیاق پیدا ہوا چنانچہ انہوں نے ۱۱۰۱ھ/۱۶۹۰ء میں اس کے لئے رخت سفر باندھا۔ وہاں پہونچ کر انہوں نے حرمین کی زیارت کی اور پانچ سال مدینہ منورہ میں قیام کیا۔ یہاں بھی انہوں نے درس وتدریس کا سلسلہ قائم رکھا۔[۱] اور وہیں ۱۱۰۵ھ/۱۶۹۳ء میں اپنی شہرۂ آفاق کتاب "نورالانوار" صرف دو ماہ کے عرصہ میں روضۂ اطہر کے سامنے بیٹھ کر تصنیف کی۔ یہ دراصل المنار کی شرح ہے۔[۲]

شعر گوئی

ان کو شعر وسخن کا بھی ذوق تھا۔ ان کے بیان کے مطابق ان کے کئی شعری مجموعے تھے، مگر افسوس اب کوئی دستیاب نہیں ہے، غالباً ان کے اشعار میں تصوف کا رنگ نمایاں تھا۔ یہ تمام اشعار دہلی اور اجمیر کے قیام اور سفر حج کے دوران کہے گئے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

"اس عرصہ میں دو بار محبت کا غلبہ ہوا، پہلی مرتبہ غلبۂ جوش وسرمستی میں ایک مثنوی مولانا روم کی مثنوی کے طرز پر لکھی جس میں چھ دفتر پچیس ہزار اشعار پر مشتمل تھے۔ اور ایک دیوان دیوان حافظ کے انداز پر پانچ ہزار اشعار پر مشتمل لکھا، اور جب فقیر کی عمر پچپن سال کی ہوئی تو حرمین شریفین کی زیارت کے لئے روانہ ہوا۔ اور ملک دکن کی سیر کرتا ہوا عرب پہونچا۔ اس زمانہ میں ایک قصیدہ دو سو سات اشعار کا ہم وزن قصیدہ بردہ کہا، اور اس کو وسیلہ خوشنودی روح اطہر صلی اللہ علیہ وسلم تحفۃ مدینہ طیبہ لے چلا۔ جب بندرگاہ سورت پہونچا تو اسی قصیدہ کی عربی شرح لکھی۔ اور اس میں کچھ تغیر وتبدل بھی کیا۔ دوبارہ پھر سودائے محبت میں گرفتار ہوا اور اس حالت میں غلبۂ شوق سے انتیس (۲۹) فصیح وبلیغ عربی قصیدے کہے جن کو حرمین شریفین کے اکثر لوگوں نے تحسین کی نظر سے دیکھا۔"[۳]

---

۱ خود نوشت ورق ۳۲ ۲ ایضاً وخاتمہ نورالانوار

۳ خود نوشت ورق ۳۳ - ۳۴

شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر سے تعلق

ملا جیون اورنگ زیب کے مداح اور شیدائی تھے، اپنی ابتدائی تصنیف تفسیر احمدی کے مقدمہ میں بھی انہوں نے اس کی مدح سرائی کی ہے اور اسے بڑے خطابات سے نوازا تھا۔[۱] اسی لئے جب وہ حج بیت اللہ سے ۱۱۰۷ھ/۱۶۹۵ء میں ہندوستان واپس ہوئے تو دکن میں ٹھہر گئے اور وہاں انہوں نے چھ سال بادشاہ کے لشکر میں گزارے۔[۲] اس زمانہ میں عالمگیر دکن کی ریاستوں کے خلاف برسرپیکار تھا۔ اس لئے اس قدر طویل قیام کے باوجود اورنگ زیب سے ملا جیون کی ملاقات بہت مختصر رہی، جیسا کہ وہ لکھتے ہیں:

واتفاق اقامت شش سال در لشکر معلی روی داد واز مقتضائے ارادت الٰہی وبادشاہ دین پناہ حضرت عالمگیر اتفاق ملاقات وصحبت چند روز واقع شد[۳]	چھ سال لشکر معلی میں ٹھہرنے کا اتفاق ہوا، اس دوران ارادۂ خداوندی اور بادشاہ دین پناہ حضرت عالمگیر کی منشا سے ان سے شرف ملاقات حاصل ہوا اور چند روز صحبت بھی رہی۔

اورنگ زیب بھی ملا جیون کا قدرداں تھا اس لئے قیام دکن کے زمانہ میں وہ اس سے لوگوں کی سفارش بھی کرتے تھے۔[۴]

ایک غلط فہمی

ملا جیون کے بارے میں سب سے پہلے مؤلف خزینۃ الاصفیاء نے یہ تصریح کی ہے کہ وہ اورنگ زیب کے استاذ تھے۔[۵] اور اسی کو بعد کے تذکرہ نگاروں نے بھی دہرایا ہے۔[۶] یہ بھی لکھا گیا ہے کہ اورنگ زیب نے پوری زندگی کبھی حد ادب سے باہر قدم نہ نکالا[۷] لیکن

---

۱ تفسیر احمدی، مقدمہ ص ۶ مطبوعہ حسنی پریس کلکتہ ۲ خود نوشت ورق ۳۴ ۳ ایضاً ۴ ایضاً ۵ خزینۃ الاصفیاء، مفتی غلام سرور لاہوری جلد دوم ص ۳۶۵ ۶ مآثر الکرام، آزاد بلگرامی ص ۲۱۶ و تذکرہ علمائے ہند، رحمان علی ص ۵۴ ۷ سبحۃ المرجان ص ۴۰، تذکرہ علمائے ہند ص ۵۴ اور معجم المطبوعات العربیۃ والمعربۃ از یوسف الیان سرکیس جلد دوم ص ۱۱۶۴

یہ اقوال اس لیے محل نظر ہیں کہ ملاجیون اورنگ زیب سے عمر میں بیس برس چھوٹے تھے۔ ان کی ولادت ۱۰۴۷ھ/۱۶۳۷ء میں ہوئی جب کہ اورنگ زیب ۱۰۲۷ھ یا ۱۰۲۸ھ میں پیدا ہوا۔[۱] اورنگ زیب کے اساتذہ میں ملا عبداللطیف سلطانپوری کا بھی نام آتا ہے جو ملاجیون کی ولادت سے گیارہ سال پیشتر ۱۰۳۶ھ/۱۶۲۷ء میں وفات پا چکے تھے۔[۲] یعنی اورنگ زیب کا دور طالب علمی ملاجیون کی ولادت سے پہلے کا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ متاخرین تذکرہ نگاروں کو اس امر میں تردد لاحق ہوا چنانچہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ پنجاب میں ملاجیون پر جو مضمون شامل ہے اس کے مقالہ نگار لکھتے ہیں:

"سرکاری تواریخ مثلاً عالمگیر نامہ اور مآثر عالمگیری کے برعکس ان کے تمام سوانح نگار متفقہ طور پر بیان کرتے ہیں کہ اورنگ زیب نے انہیں اپنے اساتذہ میں شامل کرلیا تھا۔ اور ان کی بہت عزت و تکریم کرتا تھا۔ یہ یقیناً ۱۰۶۴ھ/۱۶۵۳ء اور ۱۰۶۸ھ/۱۶۵۷ء کے درمیان کا واقعہ ہوگا۔ جس سال اورنگ زیب تخت نشیں ہوا۔ بہت ممکن ہے کہ شہنشاہ نے اپنی تخت نشینی کے بعد اس نوجوان سے بعض کتابیں پڑھی ہوں۔"[۳]

مذکورہ بالا بیان میں چند باتیں توجہ طلب ہیں۔ اوّل تو ملاجیون کی خود نوشت سوانح عمری کے بیان کے مطابق جو اس سلسلہ میں اوّلین ماخذ ہے ان کی ملاقات اورنگ زیب سے ۱۱۰۷ھ/۱۶۹۵ء سے پہلے ثابت نہیں ہے۔ اور یہ مفروضہ کہ ۱۰۶۴ھ/۱۶۵۳ء اور ۱۰۶۸ھ/۱۶۵۷ء کی درمیانی مدت میں اورنگ زیب نے ان سے بعض کتابیں پڑھی ہوں گی اس لئے قابل تسلیم نہیں کہ اس عرصہ میں ملاجیون خود تحصیل علم میں مشغول تھے۔ انہوں نے تعلیم سے فراغت کے بعد بائیس سال کی عمر

[۱] تاریخ ہندوستان از مولوی ذکاء اللہ دہلوی ج ۸، ص ۳ [۲] معاشرتی و علمی تاریخ از ڈاکٹر سید معین الحق ص ۳۸۴

[۳] اردو دائرہ معارف اسلامیہ پنجاب ج ۷، مقالہ ملاجیون مقالہ نگار بزمی انصاری۔

میں ۱۰۶۹ھ/۱۶۵۸ء میں درس و تدریس کا آغاز کیا۔ پھر یہ زمانہ خود اورنگ زیب کے لئے انتہائی پر آشوب تھا۔ اس لئے یہ باور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اس دور میں امیٹھی آکر ان سے درس لیتا تھا۔

ہمارے خیال میں ملاجیون اورنگ زیب عالمگیر کے استاد نہ تھے۔ بلکہ وہ اس کی بیٹی زیب النساء (ولادت ۱۰۴۸ھ وفات ۱۱۱۴ھ) کے استاد تھے۔[۱] اسی طرح شاہ عالم بہادر شاہ اول (۱۱۱۹ھ/۱۷۰۷ء تا ۱۱۲۴ھ/۱۷۱۲ء) جو اورنگ زیب کا بیٹا اور جانشین تھا اور فرخ سیر عالمگیر ثانی[۲] سے ملا صاحب کے جو روابط و تعلقات تھے ان سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ان شہزادوں نے ان سے تعلیم حاصل کی چنانچہ ملاجیون بہادر شاہ اول کے پورے عہد حکومت میں اسی کے ساتھ لاہور میں مقیم رہے۔[۳] پھر فرخ سیر جب بادشاہ ہوا تو اس کے بھی مقربین میں شامل ہوئے۔[۴]

اس لئے ہماری ناقص رائے میں اورنگ زیب عالمگیر سے ملاجیون کے روابط اور اس سے لوگوں کی سفارش کے جو واقعات بیان کئے جاتے ہیں وہ محل نظر ہیں، غالب قرینہ یہ ہے کہ ان تمام واقعات کا تعلق فرخ سیر عالمگیر ثانی سے ہوگا جن کو بعد میں غلط فہمی کی وجہ سے اورنگ زیب عالمگیر کی طرف منسوب کر دیا گیا۔

حجاز کا دوسرا سفر

دکن میں قیام کے دوران ہی ملاجیون کو اپنے والدین کی طرف سے حج بدل کرنے کا خیال ہوا۔ اسی دوران دو مرتبہ انہوں نے اپنی والدہ کو خواب میں دیکھا کہ وہ اس کی طلب گار بھی ہیں، چنانچہ وہ ۱۱۱۲ھ/۱۷۰۰ء میں شہنشاہ عالمگیر سے رخصت لے کر سفر حج کو روانہ ہوئے اس وقت ان کی عمر چھیاسٹھ (۶۶) سال تھی۔ انہوں نے پہلے سال اپنی والدہ کی طرف سے اور دوسرے سال اپنے والد کی جانب سے حج بدل کیا۔ اس اثنا میں صحیحین کا مطالعہ مع شروح

[۱] نزہۃ الخواطر جلد ۶ ص ۹۲ [۲] ملاجیون کے فرزند ملا عبدالقادر نے فرخ سیر کو عالمگیر ثانی لکھا ہے۔ تکملہ خود نوشت ورق ۳۶ [۳] تکملہ خود نوشت ورق ۳۵ [۴] ایضاً ورق ۳۶۔

شروع سے آخر تک کیا اور ایک رسالہ "سوانح" بھی علم سلوک میں جامی کی لوائح کے نہج پر تصنیف کیا۔[1] پھر ۱۱۱۶ھ/۱۷۰۴ء میں دکن ہوتے ہوئے اپنے وطن امیٹھی واپس ہوئے۔[2]

بغداد سے خرقہ تصوف اور اجازت

ملا جیون جب اپنے وطن امیٹھی پہونچے تو اس وقت ان کی عمر ستر سال ہو چکی تھی، یہاں آنے پر بغداد سے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے خاندان کے ایک بزرگ اور سجادہ نشین شیخ یٰسین بن عبدالرزاق نے ان کی خدمت میں جامۂ تصوف اور سند اجازت بھیجی جو وہاں سے میر سید محمد قادری بلگرامی لے کر آئے۔ ملا جیون کے لئے یہ بڑی قیمتی سوغات تھی چنانچہ انہوں نے اپنی خود نوشت میں اس کا پورا سلسلۂ سند تفصیل سے قلم بند کیا ہے۔[3]

دوبارہ دہلی کا سفر اور بہادر شاہ اول کی مصاحبت

ملا جیون دو سال اپنے وطن امیٹھی میں مقیم رہے، اور اس عرصہ میں حسب معمول درس و تدریس میں مشغول رہے، پھر ۱۱۱۹ھ/۱۷۰۷ء میں انہوں نے دوبارہ دہلی کا سفر کیا۔ ان کے شاگردوں کی بھی ایک کثیر تعداد ساتھ میں تھی۔ یہ قافلہ ۲۵ محرم الحرام ۱۱۱۹ھ کو امیٹھی سے روانہ ہوا اور صفر کے اواخر میں دہلی پہنچا۔ ملا جیون کچھ ہی روز دہلی میں مقیم رہے کہ شاہ عالم بہادر شاہ اول دکن سے لوٹا۔ اجمیر کے قریب ملا جیون سے اس کی ملاقات ہوئی۔ وہ انہیں اپنے ہمراہ لاہور لے گیا جہاں وہ اس کے انتقال تک مقیم رہے۔ ۱۱۲۴ھ/۱۷۱۲ء میں وہ لاہور سے دہلی واپس آئے۔[4] اس مدت میں ان کی سرگرمیوں کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔

فرخ سیر سے قربت اور تعلق

شاہ عالم بہادر شاہ اول کی وفات کے بعد ملا جیون جب دہلی واپس ہوئے تو پھر آخر عمر ۱۱۳۰ھ/۱۷۱۸-۱۹ء تک وہ دہلی ہی میں مقیم رہے، اور جب فرخ سیر تخت نشیں ہوا تو

---

[1] خود نوشت ورق ۳۴، [2] ایضاً، [3] ایضاً ورق ۳۴-۳۵، [4] تکملہ خود نوشت از ملا عبدالقادر ورق ۳۵-۳۶۔

اس نے بھی ملا جیون کے ساتھ اعزاز و اکرام اور خاص تعلق کا معاملہ کیا اور یہ تعلق آخر وقت تک قائم و استوار رہا۔ اس مدت میں امیٹھی اور اس کے گرد و نواح کے بے شمار لوگ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر بادشاہ سے اپنے لئے سفارش کراتے تھے، اور کامیاب و بامراد ہو کر لوٹتے تھے۔[1]

فرخ سیر کے عہد حکومت میں جب کہ ان کی عمر اسّی سال کے قریب ہو چکی تھی وہ طلبہ کی تعلیم میں مشغول اور منہمک رہے، اور یہ سلسلہ ان کے دم واپسیں تک برقرار رہا۔[2]

وفات

فرخ سیر کی حکومت کے آخری دنوں میں ۹ ذی قعدہ ۱۱۳۰ھ/۱۷۱۷ء کو ملا جیون کا انتقال ہوا اس موقع پر ان کے فرزند ملا عبدالقادر موجود تھے انہوں نے اس کی پوری تفصیل لکھی ہے۔

"ابتدا ماہ ذی قعدہ سال جلوس ہفتم یعنی ۱۱۳۰ھ/۱۷۱۷ء سے انہوں نے اپنے انتقال کی باتیں شروع کر دیں۔ اس اثنا میں وہ امیٹھی جانے کے لئے مضطرب رہا کرتے تھے، لیکن یہ مقدر میں نہ تھا، ان کی یہ بے قراری روز بروز بڑھتی جاتی تھی کہ وقتِ آخر آ پہنچا، ۸ ذیقعدہ ۱۱۳۰ھ بروز دوشنبہ انہوں نے شام تک حسب معمول درس دیا، اتفاق سے اسی روز ایک شخص نے ان سے اپنا ایک خواب بیان کیا کہ اس نے ایک ستارہ کو مغرب کی طرف سے لوٹ کر مشرق کی طرف جاتے ہوئے دیکھا۔ جس کی خود انہوں نے یہ تعبیر بیان کی کہ کوئی عالم کامل دنیا سے رخصت ہوگا۔ شام کو مغرب کی نماز کے بعد اوّابین اور اوراد و وظائف سے فارغ ہو کر معمول کے مطابق رات کا کھانا کھایا پھر عشاء کی نماز مع سنن و نوافل ادا کی۔ اس کے بعد وعظ و تلقین کی۔ جب ڈیڑھ پہر رات گزر گئی تو ان کے سینہ میں سوزش پیدا ہوئی، کچھ قے بھی ہوئی اور پہلو میں درد بھی اٹھا۔ اس وقت فقیر (ملا عبدالقادر) حاضر تھا۔ فرمانے لگے، اب وقت آخر ہے، پھر خود سے اٹھے اور جامع مسجد کے بڑے دروازہ کے اوپر جنوبی دالان کی کوٹھڑی

---

[1] تکملہ خود نوشت از ملا عبدالقادر ورق ۳۶ [2] ایضاً۔

میں جا کر لیٹ گئے اور ذکر میں مشغول ہو گئے، ڈیڑھ پہر رات ابھی باقی تھی کہ زبان پر کلمۂ شہادت جاری ہوا، اور روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ ۹ ذی قعدہ بروز سہ شنبہ کو جو اُن کی ولادت کا بھی دن تھا ظہر کے وقت ان کا تابوت میر محمد شفیع کے تکیہ میں مسجد کے عقبی حصہ میں دفن کیا گیا۔ پھر پچاس دن کے بعد یہ تابوت امیٹھی لے جایا گیا اور ۴ محرم ۱۱۳۱ھ بروز چہارشنبہ عصر کے وقت وہاں پہنچا اور اسے وہاں مدرسہ کے مقبرہ میں دفن کیا گیا[1]

مفتیٔ لکھنؤ شیخ تابع محمد جو ملا جیون کے شاگرد اور استاد زادہ تھے نے یہ قطعۂ وفات لکھ کر دہلی بھیجا[2]

محیط علم آں مولائے اعظم — باحمد شیخ جیون بد معلّم
جہاں را روشنی زاں شمع دیں بود — بعالم ظاہر و باطن مسلّم
چو رحلت کرد در ذی قعدہ تاسع — بوصل دوست خود گشتہ مکرّم
بتاریخش خرد دادہ بگوشم — ندا او کامل فیّاض عالم

ملا جیون کے لوح مزار پر حسب ذیل تاریخ کندہ ہے "ویتمّ نعمتہ علیہ" ۱۱۳۰ھ[3]

اخلاق و طبعی خصوصیات ملا جیون کی تعلیم و تربیت ابتدا ہی سے ایسے ماحول میں ہوئی تھی جو علم و فن اور تقویٰ و طہارت سے متصف تھا اس لئے اس کا بڑا گہرا اثر ان کی زندگی پر بھی پڑا مگر وہ طبعاً خلوت پسند اور گوشہ نشین تھے۔ یہی وجہ ہے کہ امراء اور شاہی خاندان سے تعلق کے باوجود اس عہد کی سرکاری تاریخوں میں ان کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا۔

اولاد شیخ عبدالقادر کے علاوہ ملا جیون کے تین اور فرزند تھے۔ شیخ محمد، شیخ عبدالصمد اور شیخ عبدالباسط۔ یہ سب بھی صاحب علم و فضل تھے۔ ان لوگوں کی اولاد بھی خوب پھلی پھولی۔[4] مولانا امیر علی شہید کا تعلق بھی ملا صاحب کے خانوادہ سے تھا جن کو بابری مسجد کے سلسلہ میں شہید کر دیا گیا تھا۔ ۲۷ صفر ۱۲۷۲ھ

[1] تکملۂ خود نوشت، ورق ۳۶-۳۷ [2] ایضاً ورق ۳۷ [3] صبح بہار ص ۴۱ [4] تکملۂ خود نوشت ورق ۳۷-۳۸

کو ان کی شہادت ہوئی[1]۔ ماضی قریب کے مشہور شاعر ممتاز امیٹھوی کا بھی تعلق اسی خاندان سے ہے[2]۔

تصنیفات اوپر گذر چکا ہے کہ ملا جیون کا اصل مشغلہ درس و تدریس تھا جس سے مدۃ العمر وابستہ رہے مگر ان کو تصنیف و تالیف سے بھی خاص شغف تھا اور اس کا آغاز طالب علمی کے دور ہی سے ہو گیا تھا ذیل میں ان کی تصنیفات کا تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

۱۔ آدابِ احمدی: یہ ملا جیون کی سب سے پہلی تصنیف ہے جو تیرہ سال کی عمر میں ۱۰۶۱ھ میں لکھی گئی۔ اس میں سلوک کے اصول و اسرار سے بحث کی گئی تھی مگر اس کتاب کا نہ تو کوئی نسخہ دستیاب ہے اور نہ ہی تذکرہ نگاروں نے اس کی وضاحت کی ہے کہ یہ کس زبان میں تھی اور اس کے اہم مباحث کیا تھے۔

۲۔ خطبات جمعہ و عیدین: یہ خطبات بھی ملا صاحب نے اپنی طالب علمی کے دور ہی میں مرتب کئے تھے جو فصیح و بلیغ عربی میں تھے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہیں اوائل عمر ہی سے عربی زبان پر عبور اور قدرت حاصل تھی، مگر افسوس کہ اس کا بھی کوئی نسخہ اب دستیاب نہیں ہے۔

۳۔ التفسیرات الاحمدیہ فی بیان الآیات الشرعیہ: یہی کتاب تفسیر احمدی کے نام سے بھی مشہور ہے مگر یہ مکمل قرآن مجید کی تفسیر نہیں ہے بلکہ اس میں صرف آیات احکام کی توضیح کی گئی ہے خصوصاً اُن آیات کی تفسیر کی ہے جن سے فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ یہ معرکۃ الآراء کتاب بھی ملا جیون کے زمانہ طالب علمی ہی کی یادگار ہے جس کی ابتداء ۱۰۶۴ھ میں صرف سولہ برس کی عمر میں کی تھی۔ اور زمانۂ طالب علمی ہی میں اس کو ۱۰۶۹ھ میں مکمل بھی کر لیا تھا۔ پھر انہوں نے ۱۰۷۵ھ میں تدریس کے دوران اس پر نظر ثانی کی۔ اس وقت ان کی عمر ستائیس ۲۷ سال تھی[3]۔ یہ تفسیر فصیح عربی زبان میں ہے اور ۱۲۶۳ھ / ۱۸۴۶ء میں کلکتہ سے اور ۱۳۲۷ھ / ۱۹۰۹ء میں بمبئی سے طبع بھی ہو چکی ہے، اس تفسیر کا اردو ترجمہ ہو چکا ہے جو حافظ عبدالعلی بلگرامی نے ۱۲۷۰ھ میں کیا ہے۔ اس ترجمہ کا قلمی نسخہ کتب خانہ سالار جنگ میں موجود ہے۔ اور اب وہ طبع ہو گیا ہے[4] (باقی)

[1] صبح بہار ص ۵۰-۵۱ و تذکرہ علمائے ہند (اردو ترجمہ) ص ۱۲۴-۱۲۵ [2] معارف ج ۸۰ [3] خاتمہ تفسیر احمدی [4] تذکرۃ المفسرین از محمد زاہد الحسینی ص ۱۶۸ مطبوعہ پاکستان۔

سیّد صباح الدین عبدالرحمٰن
علی گڈھ میں

از
جناب ریاض احمد صاحب الٰہ آباد ۔ جنرل سکریٹری ۔ دینی تعلیمی کونسل یوپی

۴۵ برس پرانی کہانی کل کی بات معلوم ہوتی ہے' ماہ جولائی کی سہانی صبح ہے ۔ برسات کی رُت فضائیں گھل مل گئی ہے ۔ کبھی سیاہ بادل سایہ کر لیتے ہیں ۔ کبھی نازک پھواریں دلوں میں گدگدی پیدا کرتی ہیں کبھی معصوم دھوپ کی مدھم شعاعیں سروں پر مچل جاتی ہیں ۔ سینکڑوں نوجوان شمع امید روشن کئے ہوئے مسلم یونیورسٹی ٹریننگ کالج کے امتحان داخلہ میں شریک ہونے کے لئے اکٹھا ہیں ۔ کالج کمپاونڈ پھولوں سے لدا ہے ۔ سرخ بگن ویلیا (BUGANVALIA) کی لہریں دیواروں پر آگ برسا رہی ہیں نوجوانوں کی ٹولیاں کیاریوں کے اردگرد بٹی ہوئی ہیں ۔ نئی نئی صورتیں ہیں ۔ نئے نئے لباس ۔ نامانوس بولیاں کوئی پنجاب سے آیا ہے ۔ کوئی سرحدی صوبے کا رہنے والا ہے کوئی بنگالی ہے کوئی بہاری ۔ اور بہتیرے چال ڈھال سے یوپی والے معلوم ہوتے ہیں ۔ تفاوت کے اس عجیب منظر میں مقصد کی یکسانیت نے رنگ و زبان کے فرق کو مٹا دیا ہے ۔ سب داخلہ کے امتحان میں شریک ہونے جا رہے ہیں ۔ کچھ لئے جائیں گے ، کچھ مایوس لوٹیں گے ۔ امتحان ہو گیا ۔ کل نتیجہ معلوم ہوگا ۔

امتحان کی کل آ گئی ۔ کامیاب امیدواروں کی فہرست نوٹس بورڈ پر آویزاں کر دی گئی ہے مجمع اسی طرف بھاگا جا رہا ہے ۔ جنہیں اپنا نام نظر آ گیا ان کے لبوں پر مسکراہٹ ہے ۔ جن کا نام نہیں ہے وہ مرجھائے ہوئے چلے آ رہے ہیں ۔ اب ٹولیاں کامیاب اور ناکاموں میں تقسیم ہو گئی ہیں ۔ کامیاب

خوش و خرم ہیں اور ناکام کفِ افسوس مل رہے ہیں ۔

کامیاب امیدواروں کو نصر اللہ ہوسٹل میں جگہ ملی ۔ راقم الحروف کو کمرہ نمبر ۶ ملا ۔ نوق صاحب روم فیلو تھے ۔ بڑے نستعلیق اور اصول پرست انسان تھے ۔ دوستوں کے حلقے میں محبت اور اخلاص کی زندہ مثال ۔ بغل والے کمرے میں دہلی سے آئے ہوئے سید ریاض الحسن قیام فرما تھے ۔ زندہ دلی ان ہی کے دم سے تھی ۔ وہ مولوی اور مسٹر کا مجموعہ تھے ۔ نماز ، تلاوت قرآن اور داڑھی کی حد تک مولوی تھے ۔ لباس اور رہائش میں پورے مسٹر تھے ۔ اس حد تک کہ جرمانہ کے باوجود ڈریس سوٹ پہن کر ڈائننگ ہال جاتے ۔ اور قریب ہی ایک کمرے میں بھائی صباح الدین فروکش تھے ۔ پڑوسی کے ناتے تعارف میں جلدی ہوئی ۔ چائے پانی کا رشتہ شروع ہوا ۔ رفتہ رفتہ ہم خیالوں کی ایک ٹولی بن گئی ۔ اس ٹولی کا مقصد ٹریننگ کی مہیب مشغولیتوں میں زندہ دلی کا چراغ جلانا تھا یہ ٹولی صرف چھ طلبا پر مشتمل تھی ۔ لوگ اسے چھکڑا کہنے لگے تھے ۔ چھکڑے کے پہیے مل کر چلتے کالج میں ۔ بازار میں ، تفریحات میں ۔ ڈائننگ ہال میں ۔ ہر جگہ چھکڑا مع اپنی چھ پہیوں کے نظر آتا ۔ چھکڑے کا ایک پہیہ سید صباح الدین تھے ۔ اور اس کی باگ ڈور کیپٹل سٹی آف انڈیا (CAPITAL CITY OF INDIA) کے ہیڈ ماسٹر ریاض الحسن صاحب کے ہاتھ میں تھی[1] ۔ تفریحات کے جملہ پروگرام کی ترتیب انہی سے وابستہ تھی ۔ پروگرام بری کا کام سید صاحب کے ذمہ تھا ۔ باقی چار پہیے پروگرام کے ساتھ خود بخود گھسٹنے لگتے تھے ۔ پروگرام کا تعلق موسم سے بھی تھا ۔ مثلاً سخت ترین جاڑے میں مون لائٹ ٹی (MOON LIGHT TEA) اس پروگرام کے تحت لوگ دسمبر کی کڑکڑاتی سردی میں لحاف اوڑھ کر نصر اللہ ہوسٹل کے لان پر اکٹھا ہو جاتے ، اور چائے کا دور چلتا ۔ ریاض الحسن چائے تیار کرتے اور سید صاحب اپنے مخصوص انداز میں لطائف کے دریا بہاتے جاتے ۔

---

[1] وہ اپنے کو ہمیشہ کیپٹل سٹی آف انڈیا کا ہیڈ ماسٹر کہا کرتے تھے ۔

دراصل ان کا اندازِ بیان اور طرزِ سخن چائے کی گرمی کو دو آتشہ کر دیتا۔ نصر اللہ ہوسٹل جس کا مزاج درسیات میں گم اسباق کی تیاری میں غلطاں و پیچاں تھا وہاں چھٹے من چلوں نے تفریحات کا نیا ٹریڈیشن جاری کر رکھا تھا۔

مگر اس پُرلطف زندگی میں کبھی کبھی بھونچال آجاتا۔ عید (یا شاید بقرعید) کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ دوستوں کے لباس کا جائزہ لیا جا رہا تھا۔ ہوتے ہوتے جب اخلاق صاحب کا نمبر آیا تو معلوم ہوا کہ ان کی ترکی ٹوپی جو اس وقت یونیفارم میں تھی بہت گندی ہے۔ لوگوں میں چہ می گوئیاں ہوئیں اور چپکے چپکے یہ طے ہوا کہ روپیہ ان کے بکس سے چرایا جائے اور ٹوپی بازار سے خرید کر ان کو پیش کی جائے۔ اس کانسپریسی (CONSPIRACY) میں مرزا ابوالحسن بیگ[1]، سید صباح الدین اور کچھ اعظم گڈھ کے لڑکے شامل تھے۔ روپیہ بھائی اخلاق کے بکس سے نکال لیا گیا۔ اور ان کی پرانی ٹوپی چرا کر چھت پر پھینک دی گئی۔ مگر اتفاق ایسا کہ بازار کوئی جا نہ پایا اور ٹوپی خریدی نہیں گئی۔ عید کی نماز کپڑے کی ٹوپی میں ہوگئی۔ دوسرے دن ہوسٹل کے لان پر لوگ جمع تھے اور دوپہر کی چائے (MID DAY TEA) کا دور چل رہا تھا۔ ٹوپی کا مقدمہ پیش ہوا۔ بھائی صباح الدین ججوں میں تھے۔ فیصلہ یہ ہوا کہ جب عید بے ٹوپی کے گزر گئی تو اب اخلاق صاحب کا روپیہ اور ساتھ ہی ٹوپی واپس کر دی جائے۔ مگر ٹوپی چھت پر تھی اور زینہ تھا نہیں کہ وہاں پہنچا جا سکے۔ گروپ میں مرزا ابوالحسن بیگ سب سے لانبے آدمی تھے۔ انہوں نے ٹوپی اتارنے کی حامی بھر لی۔ قریب ہی ٹینس کا پردہ لگانے والا اونچا اسٹول رکھا تھا وہ لایا گیا۔ اس پر ایک کرسی رکھی گئی۔ مرزا صاحب بے تکلف چڑھ گئے اور اوپر کا ایک کنگورا دونوں ہاتھوں سے گھیر کر ایک قدم اوپر رکھا ہی تھا کہ کنگورا ٹوٹ گیا اور مع مرزا صاحب کے نیچے آگیا۔ مرزا کرسی پر گرے اور سخت چوٹ آئی۔ خون کا

[1] بعد میں یہ شبلی اسکول کے پرنسپل ہو گئے تھے۔

فوارہ جاری ہو گیا۔ لوگوں کے حواس باختہ ہو گئے۔ کسی نہ کسی طرح یونیورسٹی ہسپتال پہونچائے گئے۔ رات بھر حالت خراب رہی۔ صبح شہر کے ہسپتال پہونچائے گئے۔ وہاں عمل جراحی ہوا۔ تقریباً ایک ماہ ہسپتال کے پرائیویٹ وارڈ میں داخل رہے۔ دوستوں کی ڈیوٹی برابر لگی رہتی۔ جب ڈاکٹروں نے "خطرہ سے باہر" کا اعلان کر دیا تو لوگوں کے جان میں جان آئی۔ سید صاحب اپنی ڈیوٹی بے جگری سے انجام دیتے رہے۔ یہاں تک کہ ان کا جشنِ صحت منایا گیا۔

کالج کا ٹور لاہور پہنچا۔ جھکڑا اپنے مخصوص اتحادِ عمل کے ساتھ شریک تھا۔ اپنے پرانے استاد بشیر ہاشمی صاحب وہاں پرنسپل ہو کر چلے گئے تھے۔ ہاشمی صاحب انگریزی کے بڑے عمدہ استاد تھے اور انگریزی ٹھاٹھ باٹھ سے رہتے بھی تھے۔ اصول اور وقت کے بڑے پابند تھے۔ مزاج میں سنجیدگی اور ستھرا پن تھا۔ اچھے طلبا پر بڑی شفقت کی نظر رکھتے۔ ٹور (TOUR) لاہور کیا پہونچا اپنے گھر ہی میں پہنچ گیا کیوں کہ اپنے ہی شفیق استاد وہاں سب کچھ تھے خوب آؤ بھگت ہوئی اور بڑی چین کی بنسی بجائی گئی۔ لاہور خوب گھومے۔ پرانی عمارتیں، بازار اور گلیاں چھان ماریں۔

ایک دن چھ یاروں نے طے کیا کہ لاہور کی مخصوص اور معروف ادبی شخصیتوں پطرس اور علامہ اقبال سے ملاقات کی جائے۔ پطرس کا مکان پہلی منزل پر تھا اور جدید طرز سے آراستہ تھا۔ تھوڑی دیر ان کے ساتھ گزار کر ہم لوگ علامہ کی کوٹھی پر پہونچ گئے۔ وسیع کمپاونڈ سے گزر کر ہم لوگ کوٹھی کے تقریباً ویران برآمدے میں پہونچے وہاں ہمارا استقبال ایک پنجابی ملازم نے کیا۔ اس زمانے میں علامہ علیل تھے اس لئے ملاقات ہونا یقینی نہیں تھا۔ مگر علی گڈھ کے نام میں ہمیشہ کشش رہی ہے۔ اطلاع پاتے ہی ہم سب ڈرائنگ روم میں بٹھا دیئے گئے۔ اس وسیع ڈرائنگ روم میں چند پرانی کرسیاں ادھر ادھر پڑی تھیں۔ ایک دو بڑے قالین لپیٹ کر

دیوار سے لگے کھڑے تھے۔ چند تصویروں کے فریم جن کی پشت ہماری طرف تھی دیوار کے سہارے زمین پر رکھے ہوئے تھے۔ چند سے انتظار کے بعد ہمیں اندر بلالیا گیا۔ اس وقت علامہ ایک مسہری پر فروکش تھے جو ان کے دفتر میں آفس ٹیبل کے سامنے لگی ہوئی تھی۔ علامہ بڑی خندہ پیشانی سے پیش آئے۔ علی گڈھ کے بارے میں بہت ساری باتیں ہوئیں مگر ہم لوگ بیتاب تھے کہ ان سے کچھ حاصل کریں۔ کسی کی ہمت عرض داشت کی نہیں پڑ رہی تھی۔ یکایک بھائی صباح الدین نے اپنی کاپی ان کے سامنے رکھ دی اور عرض کیا۔ "ہم لوگ آپ کا پیغام چاہتے ہیں"۔ علامہ نے مسکرا کر قلم اٹھایا اور ان کی کاپی پر ایک شعر لکھ دیا۔

صحبت پیر روم سے مجھ پہ ہوا یہ راز فاش لاکھ کلیم سر بہ جیب ایک فقیر سر بہ کف

اس وقت یہ کلام غیر مطبوعہ تھا۔

لاہور سے واپسی میں ہم لوگ دہلی پہونچ کر جامعہ ملیہ میں ذاکر صاحب کے مہمان ہوئے۔ اس وقت جامعہ قرول باغ میں تھا۔ ضابطے میں یہاں کا قیام مختصر ہی رہا۔ مگر دہلی کی سیر کیسے چھوڑ دی جاتی۔ پوری پارٹی نے مزید قیام کا فیصلہ کر لیا۔ اور بھائی صباح الدین کے سپرد یہ کام ہوا کہ وہ ذاکر صاحب کو شیشے میں اتار کر ہم لوگوں کی سفارش سیدین صاحب (پرنسپل ٹریننگ کالج) سے کرادیں۔ عجیب اتفاق کہ ہماری منصوبہ بندی ابھی دائرہ عمل میں نہیں آئی تھی کہ سیدین صاحب خود ہی دہلی آگئے اور جامعہ میں ہی ہم لوگوں کی ان سے ملاقات ہو گئی۔ سب لوگ سٹپٹائے ہوئے تھے کہ سخت جواب دہی کرنا پڑے گی۔ لیکن ہماری خوشی کی انتہا نہ رہی جب اس موقع پر نہ ہماری سرزنش ہوئی نہ مزید قیام کے بارے میں کوئی باز پرس۔ دراصل سیدین صاحب بڑے میٹھے مزاج کے آدمی تھے اور معاملہ کو بڑے لطیف انداز میں طے کر دینا ان کی خاص ادا تھی۔ ان کی یاد داشت کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ حاضری لینے کے بعد ہر طالب علم کو وہ اس کے نام سے پکارتے تھے اور پہچانتے تھے۔

ڈر کے بعد بحمداللہ ہوسٹل اپنی اصلی شکل میں آگیا۔ ہر طالب علم مصروف نظر آنے لگا۔ کوئی ماڈل لسن (MODEL LESSON) تیار کر رہا ہے۔ کوئی پریکٹیکل کی تیاری میں لگا ہے اور کوئی ڈیوری (DEWRY) کو ہضم کئے جا رہا ہے۔ غرض کہ تفریحات ختم اور پڑھائی کا دور آگیا۔ اپنی ٹولی میں بھائی صباح الدین سب سے زیادہ اور میاں ریاض الحسن سب سے کم پڑھنے والوں میں تھے۔ جب ٹولی کے سب لوگ پڑھنے میں لگ جاتے اور تفریح کے لئے کوئی خالی نہ ملتا تو ریاض الحسن صاحب قرآن شریف پڑھنے لگتے مگر تھے بہت ذہین آدمی۔ کتابوں کا پورا علم سن سنا کر حاصل کیا تھا اور امتحانی سبق بغیر کسی خاص تیاری کے دے آئے اور تھیوری اور پریکٹس دونوں میں کامیاب ہو گئے۔

امتحان کے بعد شیرازہ بکھر گیا۔ نہ جانے کون کہاں گیا۔ راقم الحروف نے ریسرچ جوائن کر لیا۔ پہلے الٰہ آباد یونیورسٹی میں پھر علی گڈھ میں۔ وہاں سے نکلا تو یوپی سرکار کے ایک صنعتی تحقیقاتی شعبے میں لگ گیا۔ وہاں سے آل انڈیا ریڈیو شعبہ لسنرز ریسرچ میں بلا لیا گیا۔ انگریزوں کا زمانہ تھا دوسری عالمی جنگ چھڑ چکی تھی۔ ریڈیو کی سرکاری پالیسی بالکل ضمیر کش تھی۔ اس لئے اسے چھوڑ کر درس و تدریس شروع کر دی۔ سر شفاعت احمد خاں کے دعوت نامہ پر مجیدیہ اسلامیہ کالج میں آگیا۔ اور کاروباری زندگی وہیں ختم کر دی۔ اس کے برعکس سید صاحب نے اسکول کی ملازمت سے کام شروع کیا۔ اور تحقیق، تصنیف و تالیف پر ختم کیا۔ وہ تاریخ کے طالب علم تھے۔ خلوص ان میں کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔ وہ ایک اچھے استاد بھی تھے اور اچھی ملازمت حاصل کر سکتے تھے مگر انہوں نے شبلی منزل میں تنگ دستی کی عافیت پسند کیا اور اسکولوں کی معاشی خوشحالی کو قربان کر دیا۔ وہ جے رہے یہاں تک کہ دنیائے تاریخ و ادب میں نامور ہوئے۔ ادبی اداروں نے انہیں انعامات سے نوازا۔ مگر قدرت کے ایک جھٹکے نے ان کی شمع حیات گل کر دی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی مجاہدانہ زندگی قبول ہو گئی اور انسانی عروج کا آخری انعام شہادت بھی ان کے لئے لکھ دیا گیا تھا۔ وہ ایک تابندہ ستارہ تھے جسے زمین کی پستیوں سے اٹھا کر آسمان کی بلندی پر پھینک دیا گیا۔ ان کے پس ماندگان کو ہم یہ کہہ کر تسکین دینا چاہتے ہیں کہ وہ شہید ہوئے اس لئے مردہ نہیں ہیں اور ہم سے زندہ جاوید کا ماتم نہیں کرتے۔

جناب سید صباح الدین عبدالرحمٰن مرحوم

از

ڈاکٹر خورشید نعمانی ردولوی۔ مہارشی دیانند کالج بمبئی

جناب سید صباح الدین عبدالرحمٰن مرحوم سے جنھیں ہم لوگ دارالمصنفین کے احاطے میں صباح الدین صاحب کہتے تھے میری پہلی ملاقات جولائی ۱۹۵۳ء میں دارالمصنفین ہی میں ہوئی وہ مجھے ایک سادہ وضع قطع کے آدمی معلوم ہوئے۔ ان کا بدن گداز، رنگ گندمی اور چہرہ پر خشخشی داڑھی تھی۔ صاف ستھرے لیکن معمولی کپڑے زیب تن کئے تھے۔ البتہ چہرہ پر علم کا نور اور انداز و اطوار سے علمی سنجیدگی اور بردباری ظاہر ہوتی تھی، میرا قیام دارالمصنفین میں اپنے بزرگ و مربی جناب شاہ معین الدین احمد ندوی مرحوم کے ساتھ تقریباً دس برس تک رہا، اس عرصہ میں صباح الدین صاحب کا اور میرا شب و روز کا ساتھ رہا، میں نے اول دن ان کو جیسا دیکھا دس سال کے طویل عرصے میں بھی ویسا ہی پایا۔ دارالمصنفین کا یہ زمانہ اس لحاظ سے بہت اہم تھا کہ اس میں دارالمصنفین کے چار ستون مولانا مسعود علی ندوی، مولانا عبدالسلام ندوی، مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی، سید صباح الدین عبدالرحمٰن موجود تھے، مولانا مسعود علی صاحب، ناظم امور انتظامی اور شاہ معین الدین احمد ندوی ناظم علمی تھے، سید صباح الدین صاحب شاہ صاحب کے معاون تھے، موخرالذکر تین بزرگوں کا مشغلہ تصنیف و تالیف تھا، دارالمصنفین کا کام ٹھیک سے چل رہا تھا لیکن مولانا سید سلیمان ندوی کے دارالمصنفین چھوڑنے اور پاکستان چلے جانے کی وجہ سے شاہ صاحب اور صباح الدین صاحب بہت متاثر نظر آرہے تھے اور جب وہ نومبر ۱۹۵۳ء میں کراچی میں انتقال کر گئے تو یہ لوگ بہت زیادہ متاثر و مغموم ہوئے۔

شام کو شاہ صاحب اور مولانا عبدالسلام صاحب کے کمرے کے مشترک دالان میں ان بزرگوں کی نشست ہوتی تھی جہاں دارالمصنفین کے رفقاء کے علاوہ شہر کے عمائد، مصنفین، شعراء ادباء جمع ہوتے تھے، ان نشستوں میں میں نے علامہ اقبال سہیل، مرزا احسان احمد بیگ، حکیم حاذق محمد اسحٰق صاحب، ڈاکٹر عبدالحفیظ انصاری، شوکت سلطان پرنسپل شبلی کالج، مولوی عزیز الرحمٰن، امین الدین صاحب، مبین الدین صاحب، مرزا نیاز احمد بیگ، مولوی نیاز احمد صاحب ندوی، مولوی مجیب اللہ، مولوی عبدالباری، یحییٰ اعظمی صاحب، حاجی عبدالغفور خستہ اور نئے رفیق جناب ضیاء الدین اصلاحی کو شرکت کرتے ہوئے دیکھا، اس بزم کے صدر نشیں یوں تو شاہ صاحب ہوتے تھے لیکن جانِ بزم صباح الدین صاحب ہوتے تھے، اس نشست میں علمی و ادبی، مذہبی و سیاسی، ملکی و بین الاقوامی موضوعات زیر بحث آتے تھے۔ اس میں جہاں سنجیدہ گفتگو ہوتی تھی وہیں تفریحی گفتگو بھی ہوتی تھی۔ ان نشستوں میں مجھے تقریباً دس سال شرکت و استفادہ کا موقع ملا اور یہیں سے مجھے تہذیب جنوں کا پہلا سبق ملا۔ بقول جگر:

حریم حسن معنی ہے جگر کاشانہ اصغر
جو بیٹھو باادب ہو کر تو اٹھو باخبر ہو کر

دارالمصنفین میں شاہ صاحب اور صباح الدین صاحب لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتے تھے۔ وہ یک جان و دو قالب تھے بلکہ دراصل دارالمصنفین قالب تھا اور اس کی دو جانیں جو مل کر ایک بنتی تھیں، شاہ صاحب اور صباح الدین صاحب تھے، ایک کے بغیر دوسرے کا تصور مشکل تھا۔

شاہ صاحب علمی شخصیت کے مالک تھے لیکن ان کو انتظامی امور میں کوئی درک نہ تھا۔ اور مولوی مسعود علی ندوی اپنی انتظامی خوبیوں کے لیے مشہور تھے، صباح الدین صاحب اپنی علمی و ادبی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ دارالمصنفین کے انتظامی امور کی نگرانی بھی محنت و جانکاہی سے کرتے تھے۔

شاہ صاحب ۱۹۲۴ء میں دارالمصنفین میں آگئے تھے اور دسمبر ۱۹۷۴ء یعنی زندگی کی آخری

گھڑیوں تک دارالمصنفین سے وابستہ رہے، صباح الدین صاحب ۱۹۳۵ء میں دارالمصنفین
آئے اور نومبر ۱۹۸۷ء یعنی انتقال تک دارالمصنفین سے وابستہ رہے، دونوں نے اس ادارہ
سے زندگی بھر کا پیمان وفا باندھا اور نصف صدی سے زیادہ اس عظیم ادارہ کی خدمات انجام
دیں، دونوں کی زندگی قناعت و توکل، ایثار و قربانی کی جیتی جاگتی مثال ہے۔ یہ چاہتے تو
دوسرے اداروں میں بیش از بیش مالی منفعتوں سے بہرہ اندوز ہوسکتے تھے، عیش و عشرت
کی زندگی گزار سکتے تھے لیکن ان آنکھوں نے دیکھا کہ انہوں نے اپنی زندگی اس ادارہ کے لئے
نثار کردیں۔ وہ شہنشاہِ علم و ادب بن کر رہ سکتے تھے لیکن وہ گدائے ادب بن کر رہے بقول حافظ

حاصل عمر نثار رہ یارے کردم   شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم

دونوں مولانا سید سلیمان ندوی کے ارشد تلامذہ میں تھے اور ان کے بعد ان کے سچے جانشین
و وارث۔ یہ ایک سلسلۃ الذہب تھا جس کی ابتدا علامہ شبلی نعمانی سے ہوئی تھی، اس سلسلہ کی
دوسری کڑی سید سلیمان ندوی و مولانا عبدالسلام ندوی تھے۔ ان کے ساتھ انتظامی امور کے
نگراں مولانا مسعود علی ندوی تھے، اس مثلث کو دارالمصنفین کا معمار کہا جاسکتا ہے، مولانا سید
سلیمان ندوی اور مولانا عبدالسلام ندوی کو دارالمصنفین کی روح اور مولانا مسعود علی ندوی کو جسم
سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ سید صاحب نے اپنی تصنیفات سے اس ادارہ کو معراج کمال تک پہنچادیا۔
اس سلسلۃ الذہب کی تیسری کڑی شاہ معین الدین احمد ندوی اور سید صباح الدین عبدالرحمن
تھے جنہوں نے سید صاحب کے بعد دارالمصنفین کی علمی روایت کو سنبھالا اور یک گونہ بڑھایا۔
شاہ صاحب علمی، دینی و ادبی شخصیت کے مالک تھے لیکن صباح الدین صاحب علم و عمل دونوں کا
نمونہ اور رزم و بزم دونوں کے آدمی تھے اس لئے انہوں نے دونوں میدانوں میں اپنے جوہر
دکھائے۔ بس ان کو مہمیز کرنے کے لئے شاہ صاحب کی موجودگی ضروری تھی، شاہ صاحب کے

انتقال کے بعد وہ بجھ سے گئے تھے اور اکثر ملاقات و خطوط میں انہوں نے اس کا برملا اظہار بھی
کیا لیکن انہوں نے ہمت نہ ہاری، شاہ صاحب کے بعد کا دارالمصنفین ان کے تفکر و تدبر، ان کی مصلحت
اندیشی اور جدوجہد کی ایک زندہ مثال ہے۔ ان کے زمانہ میں دارالمصنفین نے علم و ادب اور
تاریخ و ثقافت کے میدان میں جو کارہائے نمایاں انجام دیئے وہ اظہر من الشمس ہیں، ان کا دوسرا
اہم کارنامہ اس ادارہ کا مالی استحکام تھا، ان کے دور میں تصانیف کی تعداد بھی بڑھی اور
دارالمصنفین کا تعارف عام حلقوں میں بھی ہوا۔ ان کی ذات سے دارالمصنفین بیرونی ممالک
میں روشناس ہوا اور اس کے وقار میں اضافہ ہوا، اور خود ان کی شخصیت بھی بین الاقوامی بن گئی تھی۔
سید صاحب کے بھوپال اور بعد میں پاکستان جانے کے بعد دارالمصنفین کے نئے نظام کے
تحت شاہ صاحب ان کے جانشین مقرر ہوئے اور معارف کے مدیر بھی، سید صاحب کو جب
نئے نظام کی اطلاع کی گئی تو انہوں نے اظہارِ طمانیت کے طور پر شاہ صاحب کو لکھا:

"دارالمصنفین میں آپ لوگوں نے جو طے کیا اس پر راضی ہوں اور درگاہ الٰہی
میں داعی ہوں کہ اسے دارالمصنفین کے حق میں نافع و مفید بنائے۔

سپردم بتو مایۂ خویش را   تو دانی حساب کم و بیش را

معارف میں آپ اپنے جدید نظام کا ذکر جس طرح چاہیں کریں، آپ کے ہونے
کو میں اپنا ہی ہونا سمجھتا ہوں اور مجھ کو آپ کی قائم مقامی سے ایسی ہی مسرت اور طمانیت
ہے جو کسی روحانی و جسمانی خلف الصدق کی جانشینی سے ہوسکتی ہے، خدا کا شکر ہے میں نے
اپنی زندگی ہی میں اپنی موت کے بعد کا نقشہ دیکھ لیا۔
معارف میں آپ کے شذرات پڑھے، الحمد للہ آپ نے شذرات کے معیار کو قائم رکھا۔"

مولانا سید سلیمان ندوی، صباح الدین صاحب کو بہت عزیز رکھتے تھے اور ان سے بڑی

توقعات وابستہ رکھتے تھے، خوشی کی بات ہے کہ صباح الدین صاحب ان کی توقعات پر پورے اترے۔
سید صاحب ایک خط میں صباح الدین صاحب کو لکھتے ہیں۔

"اللہ تعالیٰ تم کو صحت و عافیت کے ساتھ تادیر دارالمصنفین کی خدمت کا موقع دے اب تم سے اور برادرم شاہ معین الدین ہی سے ساری امیدیں وابستہ ہیں، تم لوگوں کو دارالمصنفین کا چراغ ہر طرح روشن رکھنا ہے، اور ہاں بھائی اب پورے عزائم کے ساتھ تاریخ ہند کے سلسلہ کو بھی جاری رکھو اللہ تبارک و تعالیٰ پورا فرمائیں۔"

تاریخ ہند کے سلسلہ میں صباح الدین صاحب کو ایک دوسرے خط میں لکھتے ہیں:

"میں تو چراغ سحری ہوں، شاہ معین الدین احمد صاحب دارالمصنفین کے دوسرے کاموں میں لگیں گے اب تم ہی کو تاریخ ہند کے سلسلہ کو مکمل کر کے ان کے چھپوانے کا انتظام کرنا ہے۔"

شاہ صاحب اور صباح الدین صاحب کی تصانیف اس بات کا بیّن ثبوت ہیں کہ حرف بحرف سید صاحب کی امیدوں کو انہوں نے پورا کیا، شاہ صاحب نے تاریخ اسلام اور صباح الدین صاحب نے تاریخ ہند کو اپنی زندگی کا شعار بنا لیا اور ایسی معرکۃ الآرا تصانیف پیش کیں کہ استاذ کی روح جنت الفردوس میں جھوم جھوم گئی ہوگی۔

سید صاحب علمی و دینی خدمت کو ادب العالیہ (HIGH LITERATURE) سمجھتے تھے اور ادب و انشا کو دسترخوان پر چٹنی کے مانند سمجھتے تھے جس سے صرف منہ کا مزہ وقتی طور سے بدل جائے۔

صباح الدین صاحب نے پچاس سے زیادہ تصانیف یادگار چھوڑیں، ان کا اشہب قلم ہر میدان میں یکساں دوڑتا تھا، یوں تو وہ تاریخ میں اختصاص کا درجہ رکھتے تھے لیکن علم و ادب، تحقیق و تنقید، صحافت و ادارت، مذہب و سیاست سبھی ان کے قلم رو میں تھے اور سب میں ان کا قلم اپنی جولانی دکھاتا تھا، ان کا مشاہدہ تیز، مطالعہ وسیع، نظر غائر اور طبیعت اخاذ

تھی، معمولی مطالعہ سے کتابوں کا جوہر کھینچ لیا کرتے تھے، ان کو کتاب سازی میں درک حاصل تھا، وہ ایک تصنیف کے لئے سینکڑوں تصانیف کا مطالعہ کرتے ان سے مواد جمع کرتے ان کو ترتیب دیتے، ساتھ ساتھ دوسری کتابوں کا بھی مواد جمع ہوتا جاتا اور بعد میں یہی مواد مستقل تصانیف کی صورت اختیار کر لیتا، ان کی تمام تصنیفات کا جائزہ لیجئے تو معلوم ہوگا کہ ایک زنجیر ہے جس کا سلسلہ دوسرے سے جڑا ہوا ہے، وہ کثرت میں وحدت اور وحدت میں کثرت کا نمونہ پیش کرتی ہیں۔ ان کی سب سے پہلی کتاب مقدمہ دیوان فناں انجمن ترقی اردو ہند سے شائع ہوئی۔ دارالمصنفین سے شائع ہونے والی چند اہم کتابوں کے نام یہاں درج کئے جاتے ہیں۔

(۱) بزم تیموریہ (۲) بزم مملوکیہ (۳) بزم صوفیہ (۴) ہندوستان کے عہد وسطی کی ایک ایک جھلک (۵) ہندوستان کے عہد وسطی کا فوجی نظام (۶) ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے عہد کے تمدنی جلوے (۷) ہندوستان کے سلاطین علماء و مشائخ کے تعلقات پر ایک نظر (۸) ہندوستان امیر خسرو کی نظر میں (۹) ظہیر الدین محمد بابر، ہندو و مسلم مورخین کی نظر میں (۱۰) ہندوستان کے عہد رفتہ کی سچی کہانیاں (۱۱) صوفی امیر خسرو (۱۲) غالب، مدح و قدح کی روشنی میں (۱۳) بابری مسجد (۱۴) مولانا سید سلیمان ندوی کی تصانیف (ایک مطالعہ) (۱۵) مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری (۱۶) اورنگ زیب عالمگیر (انگریزی) (۱۷) بزم رفتگاں۔

صباح الدین صاحب کی پہلی کتاب "بزم تیموریہ" جب دارالمصنفین سے شائع ہوئی تو اسے پڑھ کر ان کے استاد و مربی مولانا سید سلیمان ندویؒ نے اپنے گرامی نامہ مورخہ ۳۰ دسمبر ۱۹۴۸ء میں ان کو تحریر فرمایا:

"خوشی ہوئی کہ تمہاری کامیاب تالیف "بزم تیموریہ" اہل ذوق کو پسند آرہی ہے۔ مجھ کو پہلے بزم تیموری پسند نہیں تھی کیوں کہ میں ان کو عیش و تنعم کا دلدادہ، شراب و

کباب کا متوالا، حسن و عشق کا پرستار، نقش و تصویر اور سرود و ساز کا دمساز سمجھتا
رہا لیکن جو تصویر تم نے کھینچی ہے وہ نہایت عمدہ مصوّر کے کمالات تعریف کے مستحق ہیں۔"

اردو ادیبوں اور شاعروں پر عام طور سے یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ وہ رہتے تو ہندوستان میں ہیں لیکن ان کی نظریں عرب و عجم پر لگی رہتی ہیں، اہلِ نظر ان کتابوں کی فہرست ہی سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ صباح الدین صاحب کی جڑیں خالصتاً ہندوستانی ہیں، ان کی تحریروں میں اسی مٹی کی بو باس ہے۔

دار المصنفین نے اسلامی تاریخ کی طرح ہندوستانی تاریخ کو بھی بڑی اہمیت دی ہے، صباح الدین صاحب کی کتابیں اسی سلسلہ کی کڑی ہیں ان کا مقصد یہ تھا کہ ہندوستان کے سلاطین اور مغل فرماں رواؤں کے متعلق مستشرقین اور ہندو مورخوں نے جو زہر افشانیاں کی ہیں ان کو اپنی تحریروں کے تریاق سے پاک و صاف کر دیں خواہ وہ بزم تیموریہ ہو یا بزم مملوکیہ، خواہ خسرو ہوں یا غالب، خواہ بابری مسجد کا تنازعہ ہو۔ ہر جگہ یہی روح کارفرما نظر آتی ہے مولانا شبلیؒ نے جنہیں مہدی افادی نے تاریخ کا معلمِ اوّل قرار دیا تھا بڑے پتے کی بات کہی تھی کہ تاریخ کا کام دلوں کو جوڑنا ہونا چاہئے دلوں کو توڑنا نہیں، مولانا شبلی، مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا عبد السلام ندوی، شاہ معین الدین احمد ندوی، مولانا ریاست علی ندوی، صباح الدین صاحب اور دار المصنفین کے گزشتہ و موجودہ تمام رفقاء مصنفین کی توجہ اسی نکتہ خاص پر مرکوز ہیں انھوں نے وصل کی باتیں کیں اور فصل کی باتوں سے دور رہے۔

صباح الدین صاحب نے اپنی تصانیف سے قوم و ملت کے درد کا درماں بھی پیش کیا اور درد کا مرہم بھی۔ علامہ شبلیؒ کے جس ورثہ کی مولانا سید سلیمان ندوی اور مولانا عبد السلام ندوی نے پرداخت کی، شاہ معین الدین مرحوم نے جس کو قائم رکھا، صباح الدین صاحب نے ان

دونوں کی روایات کو نہ صرف زندہ و تابندہ رکھا بلکہ آگے بڑھایا۔

مولانا شبلیؒ اپنی ایجاز نگاری کے لئے مشہور تھے، مولانا سید سلیمان ندویؒ اور شاہ معین الدین احمد ندوی نے مختصر نگاری کو اپنا شعار بنایا لیکن صباح الدین صاحب نے اطناب نگاری میں مہارت حاصل کی، تکرار و اعادہ ان کی نگارشات کا جزو اعظم ہے، وہ ایک ہی بات کو کئی کئی انداز سے بیان کرتے ہیں، یہ تکرار و اعادہ بعض جگہوں پر ان کی تحریروں میں خوبی پیدا کرتا ہے لیکن بعض جگہ بے جا طوالت گراں بھی گزرنے لگتی ہے، اسے ان کی تحریروں کی خوبی بھی کہا جا سکتا ہے اور خامی بھی، صباح الدین صاحب کی تحریریں ابتدا میں صاف و سادہ، شگفتہ، رواں دواں اور سنجیدہ ہوتی تھیں لیکن معارف کی ادارت کے فرائض انجام دیتے وقت اپنے شذرات میں انہوں نے انشا پردازی کے جو جوہر دکھلائے ہیں، الفاظ کے جو طوطا مینا اڑائے ہیں اور تحریروں میں جو مینا کاری کی ہے اس سے یہ دامانِ باغبان اور کفِ گل فروش معلوم ہونے لگتی ہیں۔

جناب جمیل مہدی، مدیر برہان نے "نظرات" نومبر ۱۹۸۷ء میں ان کی تحریر پر رائے زنی کرتے ہوئے کسی قدر صحیح لکھا ہے:

"ان کی تحریریں سید سلیمان ندوی جیسی جامعیت، مولانا عبد السلام جیسی گہرائی، مولانا عبد السلام قدوائی جیسی سنجیدگی اور شاہ معین الدین احمد جیسی تازگی اور گیرائی نہیں ملتی لیکن ان کے قلم کی روانی، شگفتگی اور رواں دواں تحریر کو اقبال کے الفاظ اور ان کے اشعار کے مفہوم سے ہم آہنگ کرتے چلنے کا فن، ان کے پیش روؤں کے قائم کردہ معیار میں اضافہ کی حیثیت رکھتا تھا۔"

مولانا سید سلیمان ندویؒ ایسے عظیم مصنف و محقق کے بعد معارف کی ادارت کا بار شاہ صاحب

نے اٹھایا تھا اس وقت یہ خطرہ تھا کہ وہ معارف کے شذرات اور وقار کو قائم نہیں رکھ سکیں گے لیکن شاہ صاحب نے اپنے سنجیدہ و متین شذرات سے معارف کا وہ بھرم قائم رکھا کہ مولانا سید سلیمان ندویؒ نے ان کو لکھا کہ :

"آپ نے معارف کا وہ معیار قائم رکھا کہ "س" (سید سلیمان ندوی) اور "م" (معین الدین) میں کوئی فرق نہیں کر سکتا اور اللہ کا شکر ہے کہ میں نے اپنی زندگی ہی میں دار المصنفین کا نقشہ دیکھ لیا جو میرے بعد سامنے آتا"

شاہ صاحب کی اچانک وفات کے بعد معارف کی ادارت کا بار صباح الدین صاحب کے کندھوں پر آگیا، معارف کے شذرات جو کہ اہل علم میں ہمیشہ خاصے کی چیز سمجھے جاتے رہے ہیں بڑی دلچسپی سے پڑھے جاتے ہیں اور اپنی اصابت رائے، متوازن اور دھیمے لہجے کے لئے ہمیشہ پسندیدگی کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں، صباح الدین صاحب شذرات میں مولانا سید سلیمان ندویؒ اور شاہ معین الدین ندوی جیسی پُر وقار متانت و سنجیدگی تو برقرار نہ رکھ سکے لیکن وہ تحریر میں رعنائی و دلکشی اور سحر آفرینی پیدا کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ صباح الدین صاحب کے شذرات بعض اوقات انشا پردازی کا نمونہ پیش کرتے ہیں اور انہیں پڑھتے وقت مولانا محمد حسین آزاد کی انشا پردازی کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔

سید صباح الدین دبستانِ شبلی کے آخری قافلہ سالار تھے، ان کا نام ان کی تصانیف اور نیک نامی کے سبب ہمیشہ زندہ ہوگا، دار المصنفین ان کی موت سے غریب ہو گیا ہے اور اب یہ اہم ذمہ داری مولانا ضیاء الدین اصلاحی کے کندھوں پر آگئی ہے جو کہ ایک شریف النفس انسان ہیں، اللہ تعالیٰ ان میں عزم و حوصلہ پیدا کرے کہ وہ دار المصنفین کی اس کشتی کو ساحل مراد تک پہنچائیں۔ آمین !!

عربی، فارسی اور اردو رامائنیں

از

جناب رام لعل نابھوی، نابھا، پنجاب

(۲)

نمبر شمار	نام رامائن	نام مصنف / مولف یا مترجم	مخطوط یا مطبوعہ	تاریخ مخطوط	سال طباعت نام مطبع	صفحات	سائز	منظوم یا منثور	کیفیت
۱۳	رامائن	[illegible]	مطبوعہ		نول کشور	۱۵۸	بڑا	منظوم	نابھوی کتب خانہ میں ہے
۱۴	[illegible] رامائن	[illegible]	مطبوعہ		[illegible]	۲۸۰	بڑا	منثور	نابھوی کتب خانہ میں ہے
۱۵	تلسی رامائن		مطبوعہ		۱۲۹۵ ہجری [illegible] مطبع	۲۸۵	بڑا	منظوم	نابھوی کتب خانہ میں ہے۔ تلسی کرت رامائن کا متن ہے
۱۶	رامائن	[illegible]	مطبوعہ		۱۸۶۳ عیسوی [illegible] مطبع	۱۵۰	بڑا	منظوم	نابھوی کتب خانہ میں ہے
۱۷	[illegible]	[illegible]	مطبوعہ		[illegible]	۲۸	[illegible]	[illegible]	نابھوی کتب خانہ میں ہے

نمبر شمار	نام رامائن	نام مصنف مؤلف یا مترجم	مخطوطہ یا مطبوعہ	تاریخ مخطوطہ	سال طباعت نام پریس	صفحات	سائز	منظوم یا منثور	کیفیت
۱۸	سری رام ناٹک	افق لکھنوی	مطبوعہ		۱۹۱۳ حصہ دوم یونین سٹیم پریس	۸۳	ڈیمائی	ناٹک	نابھوی کتب خانہ میں ہے
۱۹	سری رام ناٹک	افق لکھنوی	مطبوعہ		۱۹۰۷ حصہ سوم عالم جنتری پریس	۸۸	ڈیمائی	ناٹک	نابھوی کتب خانہ میں ہے
۲۰	سری رام ناٹک	افق لکھنوی	مطبوعہ		۱۹۱۳ حصہ چہارم یونین سٹیم پریس	۹۲	ڈیمائی	ناٹک	نابھوی کتب خانہ میں ہے
۲۱	آدیہ سنگیت رامائن	جسونت سنگھ ورما	مطبوعہ		۲۷ بار چھپی دیوی دیال چھتا لدھیانہ	۴۶	ڈیمائی	ناٹک	نابھوی کتب خانہ میں ہے
۲۲	رامائن	نفیس خلیلی	مطبوعہ			۱۰۴	ڈیمائی	منظوم	کتب خانہ نابھوی میں ہے۔ اس کے دو مختلف ایڈیشن نظر سے گزرے۔
۲۳	تلسی رامائن		مطبوعہ		سال درج نہیں جواہر سنگھ کرپال سنگھ	۴۰۳	بڑا	منثور	کتب خانہ نابھوی میں ہے
۲۴	رامائن	محمد امتیاز الدین	مطبوعہ		۱۹۸۴ کریمی پریس الہ آباد	۱۲۸	ڈیمائی	منظوم	کتب خانہ نابھوی میں ہے

نمبر شمار	نام رامائن	نام مصنف مؤلف یا مترجم	مخطوطہ یا مطبوعہ	تاریخ مخطوطہ	سال طباعت نام پریس	صفحات	سائز	منظوم یا منثور	کیفیت
۲۵	رامائن	رام شرن داس	مطبوعہ				ڈیمائی	منثور	کتب خانہ نابھوی میں ہے ایک دو صفحات کم ہیں
۲۶	رامائن ادھیاتم	مارتنڈ	مطبوعہ		۱۹۵۷ مارتنڈ پریس		بڑا	منثور	کتب خانہ نابھوی میں ہے
۲۷	بالمیکی رامائن	برہمانند نندہ	مطبوعہ		سال درج نہیں رسالہ ادوم دہلی		بڑا	منثور	"
۲۸	بنو باس لیلا	منشی نرائن داس	مطبوعہ		۱۹۳۲ شانتی پریس بدایوں	۳۰	ڈیمائی	منظوم	"
۲۹	رامائن		مطبوعہ		نامکمل	۲۷۶	ڈیمائی	منثور	"
۳۰	وقائع رام چندر	رابرٹ ینڈ طھم	مطبوعہ		۱۸۵۸ کوہ نور پریس	۲۳	ڈیمائی	منثور	"
۳۱	سیتارام	طالب الہ آبادی	مطبوعہ		گیلانی پریس سال درج نہیں	۱۲	ڈیمائی	منظوم	"
۳۲	رامائن بشن پدی	تلسی داس	مطبوعہ		مفید عام پریس	۹۶	بڑا	منظوم	"
۳۳	نغمہ رامائن	رام سہائے تمنا	مطبوعہ		۱۹۱۵ مطبع تمنائی	۳۶	"	منظوم	"

نمبر شمار	نام رامائن	نام مصنف یا مترجم	مطبوعہ یا مخطوطہ	تاریخ مخطوطہ	سال اشاعت مع نام مطبع	صفحات	سائز	منظوم یا منثور	کیفیت
۴۸	رامائن نثر	ارن کمار			[illegible] پریس	۵۶	بڑا	منثور	کتب خانہ نابھوی میں کچھ اوراق ہیں۔
۴۹	[illegible] رامائن	[illegible] رام	مطبوعہ		۱۸۹۳ چشمہ نور امرتسر	۱۸۳	ڈبل کاؤن	منثور	نابھوی کے پاس کچھ اوراق ہیں
۵۰	رام گیتا	بھوانی رام عاجز	مطبوعہ		۱۹۰۱ نول کشور	۲۲	ڈیمی سائز	منظوم	کتب خانہ نابھوی میں ہے
۵۱	رامائن [illegible]	[illegible]	مطبوعہ		۱۹۱۲ [illegible] پریس	۳۵۴	۲۰×۳۰/۱۶	منظوم	ڈاکٹر گوپی چند نارنگ کے کتب خانے میں ہے
۵۲	اصلی رامائن	رادھے شیام	مطبوعہ		۱۹۲۲ بریلی	۴۳۲		منظوم	کچھ اوراق نابھوی کے کتب خانے میں ہیں۔
۵۳	[illegible] رامائن	[illegible] لال	مطبوعہ			۷۹۵			کچھ اوراق نابھوی کے کتب خانے میں ہیں۔ یہ پہلی جلد ہے
۵۴	نغمہ رامائن	[illegible]	مطبوعہ		۱۹۱۰ [illegible]				لاجپت رائے لائبریری چنڈی گڑھ میں ہے۔ کچھ اوراق نابھوی کے پاس ہیں۔
۵۵	[illegible] رامائن	کنھیا لال	مطبوعہ						پنجابی یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہے۔ کچھ اوراق نابھوی کے پاس ہیں۔
۵۶	[illegible] رامائن	دیپ چند ورما	مطبوعہ		۱۹۲۳ [illegible] پریس	۳۲۳	چھوٹا	منظوم	ڈاکٹر پریتم سینی کے پاس ہے۔ کچھ اوراق نابھوی کے پاس ہیں
۵۷	رامائن بطرز ناول	ایم۔ ایس۔ [illegible]	مطبوعہ			۳۲۴	چھوٹا	منثور	پنجابی یونیورسٹی لائبریری میں ہے کچھ اوراق نابھوی کے پاس ہیں
۵۸	رامائن بطرز ناول	مکھن سنگھ [illegible]	مطبوعہ		[illegible]	۳۲۰	چھوٹا	منثور	پنجابی یونیورسٹی لائبریری میں ہے۔ کچھ اوراق نابھوی کے پاس ہیں
۶۹	[illegible] رامائن	دیا رام [illegible]			۱۹۱۲ [illegible]				پنجابی یونیورسٹی لائبریری میں ہے۔ کچھ اوراق نابھوی کے پاس ہیں
۶۰	رام بن باس	منی لال [illegible]							یہ اردو کی رامائن ہندی میں چھپی ہے۔ کچھ اوراق نابھوی کے پاس ہیں۔
۶۱	[illegible]	بنواری لال [illegible]				۱۲۴	چھوٹا	منظوم	کچھ اوراق نابھوی کے پاس ہیں۔

نمبر شمار	نام رامائن	نام مصنف/مولف یا مترجم	مخطوطہ یا مطبوعہ	تاریخ مخطوطہ	سال طباعت نام پریس	صفحات	سائز	منظوم یا منثور	کیفیت
۶۲	رامائن	رگھونندن سنگھ ساحر	مطبوعہ		۱۹۲۹ آریہ ست سنگ سبھا		چھوٹا	منظوم	حصہ اول و دوم۔ بال کانڈ سے لنکا کانڈ تک ۔ کچھ اوراق نابھوی کے پاس ہیں۔
۶۳	پستک رامائن	ہرنرائن شرما ساحر	مطبوعہ		۱۹۲۶ بھارد واج پستکالیہ		چھوٹا	منظوم	کچھ اوراق نابھوی کے پاس ہیں
۶۴	رامائن	شیو برت لال ورمن	مطبوعہ		۱۹۳۲ لاجپت رائے پرتھوی راج	۵۲۳	چھوٹا	منثور	کچھ اوراق نابھوی کے پاس ہیں
۶۵	رام لیلا	رام سہائے تمنا	مطبوعہ		۱۸۸۳ مطبع تمنائی	۹۸	کتابی	منظوم	کالی داس رضا کے کتب خانے میں ہے۔ کچھ اوراق نابھوی کے پاس ہیں۔
۶۶	رام چرتر	نارائن	مطبوعہ		۱۹ مارچ سنہ ۱۹۱۵	۶۱۴	کتابی	منثور	پنجابی یونیورسٹی لائبریری میں ہے۔ کچھ اوراق نابھوی کے پاس ہیں
۶۷	رامائن سے چند سبق	المست چاہلوی	مطبوعہ		۱۹۰۹ دیال پریس				”

نمبر شمار	نام رامائن	نام مصنف/مولف یا مترجم	مخطوطہ یا مطبوعہ	تاریخ مخطوطہ	سال طباعت نام پریس	صفحات	سائز	منظوم یا منثور	کیفیت
۶۷	رامائن	نانک چند نانک لکھنوی	مطبوعہ		یوسفی پریس	۳۲۸	کتابی	منظوم	کالیداس رضا کے کتب خانے میں ہے۔ کچھ اوراق نابھوی کے پاس ہیں۔
۶۸	رامائن	نارائن پرشاد بیتاب	مطبوعہ		دریبہ کلاں دہلی	۲۰۰	کتابی	ناٹک	”
۶۹	رامائن					۱۲۳	چھوٹا	منظوم	ہارڈنگ لائبریری نئی دہلی میں ہے۔ کچھ اوراق نابھوی کے پاس ہیں
۷۰	ہنومان چالیسا	رام سہائے تمنا	مطبوعہ						جناب علی جواد زیدی کے پاس ہے
۷۱	بجرنگ ساٹھکا	”	مطبوعہ						”
۷۲	بجرنگ چالیسا	”	مطبوعہ						”

نمبر شمار	نام رامائن	نام مصنف مولف یا مترجم	مخطوطہ یا مطبوعہ	تاریخ مخطوطہ	سال طباعت نام پریس	صفحات	سائز	منظوم یا منثور	کیفیت
۷۳	ہنومان ساٹھکا	رام سہائے تمنا	مطبوعہ						جناب علی جواد زیدی کے پاس ہے
۷۴	رام یدانت بھاشا	"	"						"
۷۵	ہنومان اسنت	"	"						"
۷۶	رام اسنت	"	"						"
۷۷	ست دو اروپی رامائن	"	"						"
۷۸	شکنتا دلی رامائن	"	"						"
۷۹	بھیاولی رامائن	"	"						"
۸۰	ترانہ رامائن	"	"						"

نمبر شمار	نام رامائن	نام مصنف مولف یا مترجم	مخطوطہ یا مطبوعہ	تاریخ مخطوطہ	سال طباعت نام پریس	صفحات	سائز	منظوم یا منثور	کیفیت
۸۱	رام دھیان درپن	رام سہائے تمنا	مطبوعہ						جناب علی جواد زیدی کے پاس ہے
۸۲	مقامات رامائن	علی جواد زیدی	مطبوعہ						"
۸۳	تلسی داس اور رام چرتر مانس	صفدر آہ	مطبوعہ						کچھ اوراق نابھوی کے پاس ہیں۔ میونسپل لائبریری پٹیالہ میں ہے۔
۸۴	ہنومان چالیسا		مطبوعہ						کچھ اوراق نابھوی کے پاس ہیں۔ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں ہے
۸۵	تلسی داس	جے کرشن چودھری	مطبوعہ		۱۹۵۷ رام دیال الہ آباد	۱۹۲	چھوٹا	منثور	نابھوی کتب خانہ میں ہے۔
۸۶	تلسی کرت رامائن شرح	سورج نرائن مہر	مطبوعہ		۱۹۱۳ مادھو پریس	۱۲۷	چھوٹا	منثور	"
۸۷	ہنومان جی کا جیون چرتر	ٹھاکر سکھ رام داس	مطبوعہ			۲۴۸	ڈیمائی	منثور	" پہلے دو صفحات نہیں۔
۸۸	روحانی رامائن	شیوبرت لال ورمن	مطبوعہ		ست سنگھ پبلشنگ	۱۳۳	ڈیمائی	منثور	کچھ اوراق نابھوی کے پاس ہیں۔
۸۹	رام چرچا	پریم چند	مطبوعہ		ہندوستانی پبلشنگ ہاؤس الہ آباد			منثور	"

نمبر شمار	نام رامائن	نام مصنف مؤلف یا مترجم	مخطوطہ یا مطبوعہ	تاریخ مخطوطہ	سال طباعت نام پریس	صفحات	سائز	منظوم یا منثور	کیفیت
۹۰	رامائن بھاکا		مطبوعہ		نول کشور	۳۴۷		منظوم	تلسی کرت رامائن کا متن ہے
۹۱	بال کانڈ و سندر کانڈ	حفیظ اللہ خاں	مطبوعہ		۱۸۸۹ء نول کشور	۱۰۲	بڑا	منظوم	کچھ اوراق نابھوی کے پاس ہیں
۹۲	رامائن اردو نثر	بہاری لال	مطبوعہ		مطبع متھرا	۲۳	بڑا	منثور	"
۹۳	باراں ماسہ رامائن	چونا مل	مطبوعہ		۱۸۷۳ء مطبع نارائن	۹۲	بڑا	منظوم	"
۹۴	بارہ کھڑی خلاصہ رامائن	پھصدی لال	مطبوعہ		۱۸۹۷ء نول کشور		ڈیمائی	منظوم	"
۹۵	رامائن	راجیشور راؤ اصغر							"داستان ادب حیدر آباد" صفحہ ۱۷۴
۹۶	تلسی کرت رامائن بہار	بانکے بہاری لال بہار	مطبوعہ		نول کشور	۱۱۴	"۱۱×۷½"	منظوم	یہ نسخہ نیر مسعود لکھنوی کے پاس ہے
۹۷	سری رام مہاتم	رگھبیر دیال لکھنوی	مطبوعہ		نول کشور	۲۱۶	"۱۰×۶½"		"

نمبر شمار	نام رامائن	نام مصنف مؤلف یا مترجم	مخطوطہ یا مطبوعہ	تاریخ مخطوطہ	سال طباعت نام پریس	صفحات	سائز	منظوم یا منثور	کیفیت
۹۸	رامائن سور کرت	منقو لال بھارگو	مطبوعہ		نول کشور	۱۱۲	"۱۱×۷½"		یہ نسخہ نیر مسعود لکھنوی کے پاس ہے
۹۹	سیتا سوئمبر	بابو گرور نارائن	مطبوعہ		نول کشور			منظوم	"
۱۰۰	ہنومان چالیسا	رام پرشاد لال	مطبوعہ		نول کشور	۸	"۱۰×۶½"	منظوم	"
۱۰۱	نور صداقت رام راون یدھ								ایونگ کالج لائبریری پنجاب یونیورسٹی میں ہے
۱۰۲	رام لیلا ناٹک بنواس	طوطا رام			آنند پریس میرٹھ	۵۲			
۱۰۳	رامائن								یہ کتاب بہ نمبر 1858 آرکائیوز پنجاب میں ہے۔
۱۰۴	رامائن								یہ کتاب بہ نمبر 1868 آرکائیوز پنجاب میں ہے
۱۰۵	رامائن کے بعض سین	عبدالستار			۱۹۱۵ء مہذب بک ایجنسی	۴۵			

نمبر شمار	نام رامائن	نام مصنف یا مترجم	مخطوطہ یا مطبوعہ	تاریخ مطبوعہ	سال طباعت (ناشر) یا پبلشر	صفحات	سائز	منظوم یا منثور	کیفیت
۱۰۶	رامائن تلسی کرت				[illegible]				
۱۰۷	[illegible]		مطبوعہ						اشتہار سری رام کرت مہابھارت صفحہ ۱۷۵
۱۰۸	سہاۓ رامائن	رام سہاۓ گنگوہر	مطبوعہ		۸ اگست ۱۹۱۲ء				سری رام سہاۓ پردھان آریہ سماج حافظ آباد تھے
۱۰۹	بیان رامائن	آغا حشر کاشمیری	مطبوعہ						
۱۱۰	رامائن	مہری نظمی	مطبوعہ		مئی ۱۹۶۷ء	۴۰	چھوٹا	منظوم	ہارڈنگ لائبریری دہلی میں ہے
۱۱۱	رامائن	نرہری داس	مخطوطہ						نمبر ms. 330 محکمہ السنہ پنجاب کے پاس ہے
۱۱۲	اتر رامائن مثنوی	بھگت پرشاد لکھنوی	مطبوعہ			۵۰			
۱۱۳	رامائن	جگن ناتھ [illegible]							

نمبر شمار	نام رامائن	نام مصنف یا مترجم	مخطوطہ یا مطبوعہ	تاریخ مطبوعہ	سال طباعت (ناشر) یا پبلشر	صفحات	سائز	منظوم یا منثور	کیفیت
۱۱۴	رامائن	فراق	مطبوعہ						دو جلدوں میں اردو اکاڈمی لکھنؤ نے شائع کی۔
۱۱۵	سنگیت رامائن	بھگون داس	مطبوعہ						امرسلال نابھا کے پاس ہے
۱۱۶	تلسی رامائن		مطبوعہ						پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں ہے
۱۱۷	گلدستہ رامائن	ٹھاکر بالیہ رام	مطبوعہ						"
۱۱۸	بالمیکی رامائن	رام بھگت	مطبوعہ						"
۱۱۹	رام نمبر								ہندو لاہور
۱۲۰	رام نمبر								ادب لطیف لاہور
۱۲۱	گلشن رامائن	بہارے لال [illegible]				۱۰۴			پنجاب یونیورسٹی لائبریری

نمبر شمار	نام رامائن	نام مصنف مولف یا مترجم	مخطوطہ یا مطبوعہ	تاریخ مخطوطہ	سال طباعت نام پریس	صفحات	سائز	منظوم یا منثور	کیفیت
۱۲۲	ہنومان ناٹک	ہردے رام							پنجاب یونیورسٹی لائبریری
۱۲۳	جتھارتھ رامائن	دیوان چند							
۱۲۴	وگیان رامائن	گوری شنکر							
۱۲۵	رامائن کی کتھا	شانتی نرائن							
۱۲۶	بچوں کے لیے رامائن	پروفیسر رام سروپ							
۱۲۷	رام لیلا اور سیتا بنباس	تاور سنگھ بے چین							
۱۲۸	امر کہانی رامائن	جگیشور ناتھ بیتاب							
۱۲۹	رامائن سار	خوشتر							
۱۳۰	رامائن رزمیہ نظم	دیبی پرشاد سائل							

نمبر شمار	نام رامائن	نام مصنف مولف یا مترجم	مخطوطہ یا مطبوعہ	تاریخ مخطوطہ	سال طباعت نام پریس	صفحات	سائز	منظوم یا منثور	کیفیت
۱۳۱	رامائن	ایس. نارائن راؤ							
۱۳۲	سری رام گیتا	منگل سین							
۱۳۳	رامائن سرور	سانول داس کھتری							
۱۳۴	رامائن	ایک پریمی							
۱۳۵	بال رامائن	شیکھر							
۱۳۶	فسانہ رام	اختر ناگیشور پرشاد							
۱۳۷	رامائن	جانکی پرشاد							
۱۳۸	رامائن	لکشمی نرائن							
۱۳۹	سوانح عمری مہاراجہ رام چندر	ایم ڈی پاپوڑی	مطبوعہ		کرن پرنٹنگ پریس	۲۶	ڈیمائی	منثور	ہردیال لائبریری دہلی میں ہے
۱۴۰	ادھیاتم رامائن	منشی منسا رام	مطبوعہ		۱۹۳۸ چشمہ فیض دہلی	۳۶	ڈیمائی	منظوم	" "

نمبر شمار	نام رامائن	نام مصنف یا مترجم	مخطوط یا مطبوعہ	سن تاریخ مخطوط	سال طباعت یا نام مطبع	صفحات	سائز	منظوم یا منثور	کیفیت
۱۴۱	رامائن مہر	سورج نرائن مہر	مطبوعہ		۱۹۱۲ [illegible] دہلی	۳۰۴	چھوٹا	منظوم	ہر دیال لائبریری دہلی میں ہے، ساتوں کانڈ ہیں
۱۴۲	رامائن سرن جی کی		مطبوعہ		مطبع [illegible]	[illegible]	بہاری	منظوم	ہر دیال لائبریری دہلی میں ہے۔ اس سے پہلے متن کی دو جلدیں نول کشور اور شری ہند پریس سے بار دو حروف میں چھپ چکی ہیں
۱۴۳	رامائن سرن جی کی		قلمی				[illegible]	منظوم	نامکمل
۱۴۴	کبتاولی رامائن								اشتہار رامائن فارسی امر پرکاش میں ہے۔ نول کشور پریس۔
۱۴۵	گیتاولی رامائن								اشتہار رامائن فارسی امر پرکاش میں ہے۔ نول کشور
۱۴۶	رامائن دوہاولی								اشتہار رامائن فارسی امر پرکاش میں ہے۔ نول کشور۔
۱۴۷	رام بنود	رام چندر ورک						منظوم	اشتہار رامائن فارسی امر پرکاش میں ہے۔ نول کشور۔
۱۴۸	رامائن سروس	[illegible]						منظوم	سنٹرل لائبریری چنڈی گڑھ میں ہے۔

نمبر شمار	نام رامائن	نام مصنف یا مترجم	مخطوط یا مطبوعہ	سن تاریخ مخطوط	سال طباعت یا نام مطبع	صفحات	سائز	منظوم یا منثور	کیفیت
۱۴۹	والمیک رامائن	سکھ دیال شوق							اشتہار مہابھارت مطبع مفید علم آگرہ ۱۹۰۰ء
۱۵۰	بچوں کی رامائن	سدرشن							اشتہار بچوں کے لئے مہابھارت پنجاب پرنٹنگ پریس لاہور
ضمیمہ فارسی رامائن									
۸۰	ترجمہ رامائن	[illegible]							دیکھئے پاکستان میں فارسی ادب کی تاریخ
۸۱	راما چندر	[illegible]							کتب خانہ دانشگاہ ایران جلد سوم۔ صفحہ ۸۴۴ پنجاب یونیورسٹی میں ہے۔

مقالات شبلی جلد دوم

یہ مولانا شبلیؒ کے حسب ذیل دس ادبی مضامین کا مجموعہ ہے۔

(۱) عربی زبان (۲) فن بلاغت (۳) نظم القرآن و جمہرۃ البلاغۃ (۴) شعر العرب (۵) عربی اور فارسی شاعری کا موازنہ (۶) سرسید مرحوم اور اردو لٹریچر (۷) املا و صحت الفاظ (۸) اردو ہندی (۹) بھاشا زبان اور مسلمان (۱۰) تحفۃ الہند (ہندی صنائع بدائع)۔ نویں مقالے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے بھاشا زبان میں کیا کیا تصانیف کیں اور بھاشا کی شاعری میں کس درجہ کمال پیدا کیا، دسواں مقالہ اس کا تتمہ ہے، اس میں عہد عالمگیر کی تصنیف تحفۃ الہند کا ذکر ہے جس کا موضوع ہندوؤں کا فن بلاغت اور عروض و قافیہ وغیرہ ہے۔

قیمت ۱۳ روپے

آثار علمیہ وادبیہ

مکتوب گیلانی

از: ڈاکٹر مختار الدین احمد سابق صدر شعبہ عربی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

مولانا سید مناظر احسن (۱۸۹۲-۱۹۵۶ء) گیلانی (بہار) کے رہنے والے اور جامعہ عثمانیہ حیدر آباد میں شعبۂ دینیات کے استاد اور صدر شعبہ تھے۔ وہ صاحب تصانیف کثیرہ تھے، ان کی متعدد کتابیں ڈاکٹر محمد یوسف الدین، ڈاکٹر غلام دستگیر رشید اور دوسرے تلامذہ کی توجہ سے شائع ہو چکی ہیں جن میں الدین القیم علمی حلقوں میں بہت مقبول ہوئی۔ ان کے سینکڑوں مضامین رسائل و اخبارات میں شائع ہوئے جو جمع کرکے چھاپے جاتے تو کئی جلدوں میں آتے۔ ان کے ہم وطن سید مظفر گیلانی (سابق وائس چانسلر بھاگلپور یونیورسٹی) نے جو ان کے عزیز بھی ہیں ان کے مضامین کا ایک مجموعہ بہار اردو اکاڈمی پٹنہ سے ۱۹۸۶ء میں شائع کیا ہے، یہ ایک مختصر سا مجموعہ ہے جو ان کے صرف سات مضامین پر مشتمل ہے۔ تلاش و تفحص کے باوجود ان کے لکھے ہوئے دوسرے مضامین انہیں دستیاب نہ ہو سکے۔ مولانا کے خطوط جو علمی لطائف و معلومات سے پُر ہوتے تھے، ہزاروں کی تعداد میں ہوں گے لیکن اب تک صرف ایک مجموعۂ خطوط مخدوم و مکرم مولانا منت اللہ رحمانی کا مرتب کردہ ۱۹۷۳ء میں مونگیر (بہار) سے شائع ہو سکا ہے، پندرہ سولہ برس گزرنے پر بھی اس کی دوسری جلد وہ اپنی دینی و قومی مصروفیات کے باعث شائع نہ کر سکے۔

میں برسوں سے مولانا مرحوم کے مکاتیب جمع کر رہا ہوں۔ ایک مجموعہ مرتب کر لیا ہے جس میں زیادہ تر ان کے احباب، اعزہ و تلامذہ کے نام کے خطوط ہیں، مزید خطوط کی تلاش کی جا رہی ہے۔ قارئین معارف سے درخواست ہے کہ وہ توجہ فرما کر اس علمی کام میں میری مدد کریں تاکہ یہ چھپا ہوا خزانہ منظر عام پر آسکے۔

مولانا کے سات خطوط بنام ڈاکٹر غلام دستگیر رشید (سابق صدر شعبہ فارسی عثمانیہ یونیورسٹی) میں نے لاہور کے رسالہ صحیفہ (مئی، جون ۱۹۷۹ء) میں شائع کر دیے تھے، ایک اہم مکتوب قارئین معارف کی ضیافت طبع کے لیے آج پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں، یہ ایک کارڈ ہے جو مولانا کی خفی نویسی کا بہترین نمونہ ہے، یہ ۵۷ سطور پر مشتمل ہے۔

اس خط کے مکتوب الیہ اردو کے مستند محقق اور مشہور غالب شناس جناب مالک رام صاحب محترم ہیں جن کی علوم اسلامی پر بھی گہری نظر ہے۔ خط کا موضوع ان کی کتاب عورت اور اسلامی تعلیم ہے، جو پہلے مضمون کی شکل میں ۱۹۴۵ء کے رسالہ نگار لکھنؤ کے تین شماروں میں اسلام اور عورت کے عنوان سے چھپا تھا۔ یہ طویل مضمون ترمیم و اضافے کے بعد کتابی شکل میں عورت اور اسلامی تعلیم کے نام سے نیاز فتحپوری کے تعارف کے ساتھ ان ہی کے اہتمام میں لکھنؤ سے ۱۹۵۱ء میں شائع ہوا۔ مزید تبدیلیوں اور اضافوں کے بعد اس کتاب کا دوسرا اڈیشن دہلی سے ۱۹۷۷ء میں نکلا۔ اس کا عربی ترجمہ ۱۹۵۸ء میں قاہرہ سے اور انگریزی ترجمہ پہلے حیدر آباد دکن سے اور پھر نیویارک (امریکہ) سے ۱۹۸۱ء میں شائع ہوا۔

کتاب کی اشاعت کے بعد ہندوستان کے مشاہیر علماء نے اسے پسندیدگی کی نظر سے دیکھا۔ بعضوں نے بعض مسائل میں ان سے اختلاف کیا اور بعض مسامحات کی طرف ان کی توجہ مبذول کرائی لیکن ان کی محنت و تلاش، طریقہ استدلال و استنتاج کی داد سب نے دی۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے مسودہ دیکھ کر مالک رام صاحب کی بعض آرا سے اتفاق نہیں کیا لیکن نفس مضمون کی بہت تعریف کی اور انہیں لکھا کہ اگر اس پر آپ کا نام نہ ہوتا تو میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ یہ کسی مسلمان عالم کی تصنیف نہیں ہے۔ یاد آتا ہے کہ کتاب کی اشاعت کے بعد معارف کے شذرات یا تبصرے میں انہوں نے بہت اچھے توصیفی کلمات اس کے متعلق لکھے تھے۔ ہندوستان کے دوسرے مشاہیر علماء نے بھی کتاب کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا اور ان کی

محنت وتلاش کی داد دی۔ مولانا اسلم جیراجپوری نے لکھا: "ایسی کتاب اگر کوئی ہندوستانی مصر کے جامعہ ازہر کا فاضل لکھتا تو اس کے لیے موجب عزت ونیک نامی ہوتی" مولانا عبدالماجد دریابادی نے تبصرہ کرتے ہوئے تحریر فرمایا: "کتاب قابل داد اور مصنف قابل تحسین ہے، مصنف کی نظر قرآن کے علاوہ حدیث پر بھی اچھی خاصی ہے۔ کم از کم تبصرہ نگار سے تو زیادہ ہی ہے" مولانا عبدالسلام رامپوری کی رائے ہے کہ "کتاب نہایت وسیع النظری اور بہت تحقیق سے لکھی گئی ہے" مولانا ضیاء الدین اصلاحی اس کتاب پر مفصل مضمون لکھتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: "مالک رام صاحب کی اسلامی علوم پر بھی اچھی اور گہری نظر ہے۔ اسلام اور اسلامی مسائل کے بارے میں مصنف کے ذہن کی بے تعصبی، سلامت روی اور قلم کا اعتدال وتوازن مشہور ہے۔ انہوں نے عورت کے بارے میں اسلام کی اصل تعلیم بے کم وکاست دیانتداری کے ساتھ پیش کرنے کی کوشش کی ہے اور اپنی بحث وتحقیق کا سارا دارومدار قرآن مجید پر رکھا ہے جو اسلامی شریعت کا اولین اور بنیادی ماخذ ہے۔ جو کام مسلمان اہل علم اور فضلا کے کرنے کا تھا اسے فاضل محترم نے بہت اچھے ڈھنگ اور بڑی خوبی سے انجام دیا ہے جس کے لیے عام مسلمانوں کو ان کا ممنون ہونا چاہیئے۔"

مولانا سید مناظر احسن گیلانی مرحوم کو جب یہ کتاب موصول ہوئی تو انہوں نے حسب ذیل مکتوب مصنف کو لکھا، یہ میرے کاغذات میں کہیں دب گیا تھا، اب زمانۂ تحریر کے سینتیس[۳۷] سال کے بعد پہلی مرتبہ معارف میں شائع کیا جا رہا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مناظر احسن گیلانی

ڈاکخانہ بریگھا ضلع مونگیر (بہار)

۱۵ مارچ سنہ ۵۲ء

فاضل گرامی جناب مالک رام صاحب ایم۔ اے

بعد ہدیۂ سلام مسنون عرض ہے، کارڈ آپ کا جس میں اطلاع دی گئی ہے کہ عورت اور اسلامی

تعلیم نامی آپ کی کتاب بہت پہلے اس فقیر کے نام ارسال فرمائی گئی ہے۔ اسی دن مجھے ملا جس دن ڈاک سے آپ کی کتاب پہونچی۔ شاید حیدرآباد کا پتا جو لکھا گیا یہ اسی کا نتیجہ ہے۔ یہ دونوں حیدرآباد سے واپس ہوکر اپنے وطن گیلانی (بہار) میں مجھے ملے۔ جہاں جامعہ عثمانیہ سے وظیفہ پانے کے بعد خانہ نشین ہوگیا ہوں۔

جناب کے اسم گرامی سے پہلی دفعہ غالباً اسی سال نواب صدر یار جنگ بہادر[۱] رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلے میں واقف ہوا۔ جمہور میں غالباً آپ کا مضمون صدر یار جنگ نمبر میں نکلا تھا[۲]۔ تعلقات آپ کے نواب مرحوم سے جو تھے ان کی بنیاد پر کہہ سکتا ہوں:

من وتو ہر دو خواجہ تاشائیم

نواب مرحوم کی نیازمندی کا شرف فقیر کو بھی حاصل ہے۔ اسی مضمون سے معلوم ہوا کہ وہ آپ کے بھی عنایت فرماؤں میں تھے۔ اس وقت بھی، اور آپ کی دلچسپ کتاب کے پڑھ جانے کے بعد بھی صحیح طور پر اندازہ نہ ہوا کہ آپ کا تعلق "اسلام" سے کیا ہے۔ "مالک" لفظ عربی کا اقتضا جو کچھ ہے "رام" کے لفظ سے اس کی تردید ہوجاتی ہے۔ ورنہ یوں تو ہماری ہندی یا بھارتی حکومت کے وزیر اعظم ہی کے ایک نام کا جز "جواہر" بھی عربی ہے "لال" نے عربی رنگ کو ہندی رنگ میں بدل دیا۔ کچھ بھی ہو، اگر "رام" ہی کے آپ رام ہیں، وہی آپ کا دل آرام ہے تو اس کتاب کو لکھ کر حقیقت یہ ہے کہ ایک عجیب وغریب کراماتی نمونے کو آپ نے پیش کیا ہے۔ قرآن کے مطالعہ نے آپ کے دل پر یہ اثر ڈالا، یا اس خیال کو جو پیدا کیا کہ "صنف نازک" کے متعلق جتنے تفصیلی آئین وقوانین اس کتاب میں ملتے ہیں، آسمان کی طرف منسوب ہونے والی کتابوں کے لحاظ سے یہ بالکل اچھوتی بات

---

[۱] مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی (۱۸۶۷ - ۱۹۵۰) جن پر مالک رام صاحب کا مضمون ان کے ایک مجموعہ مضامین "وہ صورتیں الٰہی" (دہلی ۱۹۷۴) میں شامل ہے، پہلے رسالہ آجکل دہلی میں چھپا تھا وہاں سے جمہور علی گڑھ میں نقل ہوا۔

[۲] اخبار "جمہور" ہفتہ وار تھا اور محمد علی روڈ، علی گڑھ شہر سے محمد عمر خاں شائع کرتے تھے۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

ہے، اور اسی لیے ان کو طبعی ترتیب کے قالب میں لانے کی طرف آپ کا ذہن منتقل ہوا۔ یہ بھی آپ کے فکری سلیقے کی بہتری اور غیر معمولی ہونے کا کافی ثبوت ہے۔ نیاز صاحب موروثی مسلمان اور شاید مولویانہ علوم سے مناسبت رکھنے کے باوجود اس راز کو نہ پاسکے، اور پھر اپنے رجحان طبع کے مطابق "تاریخ الخوشار" کے اوراق میں اس کی بنیاد تلاش کرنے کے لئے ڈوب گئے۔ "المرء یقیس علیٰ نفسہ"۔

موضوع بحث کے لحاظ سے جامعیت کا دعویٰ تو آپ کی طرف سے خود پیش ہوا ہے، اس کا اعتراف نہ کرنے والا بجز تنگ نظری کے مریض کے اور کچھ نہیں ہے۔ مجھے تو اس جامعیت کے ساتھ حیرت اس پر ہوئی کہ اعصابی بھونچال اور بے قراریوں کے اس اضطرابی عہد میں اپنے فیصلے کی قوت کو اعتدال و توازن کے نقاط سے قریب رکھنے میں آپ کیسے کامیاب ہوئے؟ اس زمانے کی کتابوں میں مشکل ہی سے اس کی نظیر مل سکتی ہے۔ یا ماضی کے دباؤ کے نیچے تڑپنے والوں کی کتابیں ہیں یا بے باکوں کے تالیفات کا سیلاب ہے۔ جس کی نہ ابتدا ہے نہ انتہا۔ شتر بے مہار "ہرچہ در دل آید بگوید" کے کاروبار کی گرم بازاری ہے۔ سکون اور ٹھنڈی بصیرت کے زیر اثر لکھنے والوں کا فقدان ہے۔ ایسے وقت میں اپنی خصوصیتوں کے لحاظ سے آپ کا کام بہرحال مستحق تحسین و آفریں ہے۔

آپ نے قرآنی نصوص کو اصل قرار دے کر سنت کی روشنی میں ان کے مطالبوں (مطالب؟) کو منقح کرنے کی جو کوشش کی ہے، یہی نہیں کہ آپ کی وسعت معلومات ہی کا اس سے اندازہ ہوتا ہے، بلکہ کتاب و سنت کو ٹھیک اپنے طبعی مقام پر رکھ کر قانون کی تشکیل کا ایک بہت اچھا نمونہ ہے۔

آپ کے ذہنی انتقال کی بعض مثالیں بہت دلچسپ ہیں۔ واللاتی یاتین الفاحشۃ والی آیت کا جو محمل آپ کی سمجھ میں آیا ہے کہہ سکتا ہوں کہ میرا ذہن بھی اس کی طرف کبھی نہیں گیا۔ نسخ کے قصے کو ختم کرنے کی یہ ایک اچھی راہ ہے۔

(بقیہ حاشیہ) ادارت کا زیادہ کام مولوی عبدالشاہ خاں شیروانی (اورینٹیل سیکشن مولانا آزاد لائبریری) کیا کرتے تھے۔ صدیار جنگ کے انتقال کے بعد اس اخبار کا صدر یار جنگ نمبر شائع ہوا تھا جو مرحوم کی زندگی اور ان کے کارناموں کی مفید دستاویز ہے۔

سورۂ اخلاص میں مسیح کے ساتھ کرشن کا خیال بھی لم یولد کے تحت آپ کو جو آیا ہے میں اسے اپنے مخصوص خیالوں میں شمار کرتا تھا۔ فجزاکم اللہ عنا وعن المسلمین خیر الجزاء۔

آپ نے سورۂ یوسف سے قرآن کی شہادت کا استنباط بھی جو فرمایا ہے یہ بھی دلچسپ توارد ہے۔

مسئلہ حجاب کی تنقیح میں آپ کی کوشش بہت حد تک کامیاب ہے۔ عمیاوان (؟) والی روایت کے متعلق آپ کے نقطہ نظر کا میں بھی موید ہوں۔ میرے خیال میں عزیمت و رخصت کی دو قسموں میں اسلامی مطالبات کو جو فقہائے اسلام نے تقسیم کیا ہے، مسئلہ حجاب میں بھی اس کی جھلک محسوس ہوتی ہے۔ متعہ پر بھی آپ کی بحث اچھی ہے، لیکن فقیر کا خیال ہے کہ گدھے کے گوشت کے متعلق یہ تعبیر صحیح نہ ہوگی کہ "رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے پہلے اس کو حلال کیا پھر حرام کیا"، بلکہ جاہلی دستور کے مطابق لوگ کھاتے تھے، اسلام نے حرمت کا اعلان کیا، یہی صورت متعہ میں پیش آئی ہے۔ خیبر میں بھی اعلان کیا گیا اور فتح مکہ کے نو وارد نو مسلموں نے عدم واقفیت کی وجہ سے جاہلی دستور پر عمل کیا، پھر حرمت کا اعلان کیا گیا۔ واقعے کی تعبیر میں راویوں سے لغزش ہوئی ہے۔

آپ نے الزانی لاینکح الا زانیۃ کا جو مطلب بیان کیا ہے اس کا اقتضا تو یہ ہے کہ جتنے مشرکین تائب ہو کر مسلمان ہوئے ان کا نکاح بھی مشرکہ و زانیہ کے سوا اور کسی سے جائز نہ تھا، اور توبہ کے بعد شرک جب کالعدم ہو جاتا ہے تو زنا کا جرم تو اس سے اخف ہے۔ مسئلہ رجم میں اتنا تو بہرحال آپ کو بھی ماننا پڑے گا کہ محصنات (آزاد عورتیں) اور لونڈیوں کی سزاؤں میں خود قرآن نے فرق کیا ہے۔ پھر کنوارے اور شادی شدہ کے فرق کو ملحوظ نہ رکھنا خود سوچیے کیا ہے۔ خلق منہا زوجہا کی تفسیر آپ کی میری سمجھ میں نہ آئی۔ جیوب کا ترجمہ گریبان کی جگہ سینہ کرنے کی وجہ بھی سمجھ میں نہ آئی۔ ازیں قبل بعض چیزیں اور بھی کھٹکیں تاہم کام آپ کا بہرحال قابل قدر ہے۔ معاف کیجیے گا مختصر جواب کے ارادے سے کارڈ اٹھایا لیکن طویل ہو گیا۔ جواب اگر آپ نے دیا تو انشاء اللہ تفصیلی مراسلت ہوگی۔

جواب اگر دینا ہو تو اسی پتے سے دیجیے۔ مناظر احسن گیلانی

اخبارِ علمیہ

بنگال اور فارسی زبان کا رشتہ صدیوں پرانا ہے اور آج بھی وہاں اس کا وجود قند پارسی کی حیثیت رکھتا ہے، اس رشتہ کو قائم و دائم رکھنے میں کلکتہ کی ایران سوسائٹی نے نمایاں حصہ لیا ہے، اس سوسائٹی کے قیام کو ۴۵ سال ہوگئے اس مدت میں اس کے کارناموں نے بنگال بلکہ سارے ہندوستان کے لیے قابل افتخار علمی سرمایہ فراہم کیا ہے، سوسائٹی کا علمی مجلہ انڈو ایرانیکا اپنے مقالات و مضامین کی وجہ سے بین الاقوامی شہرت کا حامل ہے، خسرو، خیام، ابن سینا، سعدی، براؤن اور حافظ پر اس کے خاص شمارے اہل علم سے خراج تحسین حاصل کر چکے ہیں، ادارہ نے بیسؔ کتابیں بھی شائع کی ہیں "نقش پارسی بر احجار ہند"، "فارسی ادب کے اثرات انگریزی ادب پر" اس کا بیش قیمت تحفہ ہیں۔ فارسی ادب کے متعلق اعلیٰ درجہ کے سمیناروں کا انعقاد بھی اس سوسائٹی کا طرۂ امتیاز ہے، مولانا ابوالکلام آزاد، ہمایوں کبیر، سر مرزا اسماعیل، سید حسن برنی، سنیتی کمار چٹرجی، پروفیسر نذیر احمد، جے این سرکار، پروفیسر خلیق احمد نظامی وغیرہ جیسے ممتاز اہل علم و قلم اس سے وابستہ رہے ہیں، سید صباح الدین عبدالرحمٰن مرحوم بھی سوسائٹی سے بڑا تعلق رکھتے تھے، دوسرے علمی اداروں کی مانند، یہ بھی اس وقت مالی مشکلات سے دوچار ہے لیکن علم و ادب کے قدردانوں خصوصاً فارسی زبان کے شیدائیوں سے امیدیں وابستہ ہیں اور سب سے بڑھ کر جناب جسٹس خواجہ محمد یوسف صدر سوسائٹی کا وجود اس کے لئے بڑا سہارا ہے جن کی فعال اور جاذب شخصیت، اس علمی ادارہ کے لیے باعثِ خیر و وجہ ترقی ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد کی صد سالہ تقریبات کے موقع پر ان کی باکمال شخصیت پر اردو کے علاوہ دوسری زبانوں خصوصاً انگریزی میں بھی تصنیف و تحقیق کا سلسلہ جاری ہے، ابھی ٹائمز آف انڈیا کے ایک شمارہ میں ڈاکٹر پی، این چوپڑہ کی ایک کتاب "مولانا ابوالکلام آزاد، تشنہ تعبیر خواب" کا ذکر آیا ہے جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ مولانا جب کانگریس کے صدر تھے تو انہوں نے گاندھی جی

اور پنڈت نہرو کے علم و مشورہ کے بغیر کیبنٹ مشن کے سلسلہ میں وائسرائے کو بالا بالا ایک خط لکھا تھا۔ گاندھی جی کو جب اس کا علم ہوا تو وہ اضطراب میں رات بھر سو نہ سکے، مصنف کی یہ تحقیق کس پایہ کی ہے یہ اہل بصیرت جانیں مگر انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ گاندھی جی کے استفسار پر مولانا آزاد نے ایسے کسی خط کے بارے میں صاف انکار کر دیا، حالانکہ مولانا کا وہ خط گاندھی جی کے سامنے میز پر موجود تھا، اس روایت میں یا تو راوی کو سہو ہوا ہے یا پھر اس میں تدلیس ہوئی ہے کیونکہ مولانا آزاد کی حق گوئی، جرأت اور عدم مرعوبیت کے یہ بالکل منافی ہے۔

مولانا آزاد کے ساتھ پنڈت نہرو کی صد سالہ تقریبات کے لیے بھی یہی سال مخصوص ہے، مختلف سیاسی، معاشی اور ثقافتی میدانوں میں پنڈت جی کی یادیں تازہ کی جا رہی ہیں، علمی حلقوں کی جانب سے بھی نہرو سے متعلق کئی عمدہ تحریریں سامنے آئی ہیں، تقریباً ہر ممتاز اشاعتی اداروں نے ان پر کتابیں شائع کی ہیں لیکن آکسفورڈ یونیورسٹی پریس ان میں نمایاں ہے، اس نے ایس گوپال کی مرتبہ بائیوگرافی تین جلدوں میں اور پنڈت جی کے منتخب مضامین کا مجموعہ آٹھ جلدوں میں شائع کیا ہے، پنڈت جی کی کتابوں میں گلمپسز آف ورلڈ ہسٹری، دی ڈسکوری آف انڈیا اور این آٹو بائیوگرافی کو بھی نئی تزئین کے ساتھ شائع کیا ہے اور اب جلد ہی دی جواہر لال نہرو سنٹینری ایڈیشن بھی شائع ہوگی جس میں دنیا بھر کے سو سے زیادہ اہل علم و دانش کے مقالات و مضامین ہوں گے، زیادہ تر کتابوں میں پنڈت نہرو کے سیاسی خیالات کو نمایاں کیا گیا ہے لیکن بحیثیت ایک انسان ان پر کم لکھا گیا اس لحاظ سے مسز اردنا آصف علی کی کتاب "پرائیویٹ فیس آف اے پبلک پرسن" ہی قابل ذکر ہے۔ نہرو خاندان پر بی آر نندا کی "نہروز" اور شٹی اہلوالیہ کی "موتی لال ٹو راجیو"، اور محمد شفیع قریشی کی "فورجنریشنز ان دی ٹاسک آف نیشنل بلڈنگ" بھی قابل ذکر ہیں، گاندھی اور نہرو کے تعلقات پر مدھو لیمائے کی کتاب "گاندھی اینڈ جواہر لال نہرو" بھی اہم ہے، ایم جے اکبر کی کتاب "نہرو" کو کثیر الاشاعت قرار دیا گیا ہے، ڈاکٹر رفیق زکریا نے پنڈت نہرو کے کلام و بیاض اشعار کو مرتب کیا ہے، لیکن ایک تبصرہ نگار کے بقول ان تمام کتابوں کا لہجہ مدلل مداحی کا ہے۔ ("ع۔ ص")

مطبوعاتِ جدیدہ

کشمیر میں عربی علوم اور اسلامی ثقافت کی اشاعت مرتبہ ڈاکٹر سید محمد فاروق بخاری، تقطیع متوسط، کاغذ بہتر، کتابت و طباعت غنیمت، صفحات ۳۲۰ مجلد مع گرد پوش
قیمت ۴۰ روپے۔ پتہ از مصنف بخاری منزل، عیدگاہ، سری نگر۔

کشمیر خصوصاً اس کے اسلامی دور کی علمی تاریخ لایق مصنف کا خاص موضوع ہے، وہ برسوں سے اس کے مطالعہ و تحقیق کا کام انجام دے رہے ہیں اور وقتاً فوقتاً علمی رسائل میں اس کے متعلق ان کے مضامین بھی شائع ہوتے رہے ہیں، اب انہوں نے کشمیر کی علمی، تحقیقی اور تہذیبی سرگرمیوں کی تفصیل چار جلدوں میں مرتب کرکے شائع کرنے کا پروگرام بنایا ہے، زیر نظر کتاب اس کی پہلی جلد ہے جو مقدمہ اور پہلے باب پر مشتمل ہے، مقدمہ مبسوط اور طویل ہے جس کی ابتدائی تمہید میں اسلام سے پہلے کے دور میں کشمیر کی بہت مختصر علمی، سیاسی، تاریخی اور تہذیبی حالت بیان کی گئی ہے، پھر وہاں اسلام کی آمد، اسلام کی ترویج و اشاعت کی کوششوں، میر سید علی ہمدانی اور دوسرے بزرگوں کے ذریعہ پہنچنے والے فیوض و برکات اور مختلف سلاطین کے عہد کے مدرسوں، خانقاہوں تصنیفات اور اسلامی علوم و فنون سے متعلق خدمات کا مرقع پیش کیا ہے، اس کے بعد پہلے باب کی تین فصلوں میں بالترتیب تفسیر و قرآنی علوم اور حدیث و فقہ کی درسی و تصنیفی سرگرمیوں کا حال بیان کیا ہے، اس میں ان علوم کے اہم فضلا اور ان کی تصنیفات کا تذکرہ و تعارف کرایا ہے، آخری فصل میں سنی اور اثنا عشری فقہ کا علیحدہ علیحدہ ذکر ہے، یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ کشمیر میں تفسیر و قرآنی علوم کی جانب کم توجہ کی گئی، مصنف نے کشمیر نژاد ہی لوگوں کی علمی خدمات کے ذکر پر اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ اس میں ان لوگوں کو بھی شامل کرلیا ہے جن کا وطن کشمیر نہیں تھا یا جن کے آبا و اجداد تو کشمیری تھے مگر ان کی پیدائش کہیں اور ہوئی تھی، یہ کتاب اس لحاظ سے بڑی مفید ہے کہ اس سے کشمیر کی علمی سرگرمیوں کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

جگن ناتھ آزاد ایک مطالعہ مرتبہ جناب محمد ایوب واقف صاحب، تقطیع متوسط، کاغذ، کتابت و طباعت عمدہ، صفحات ۳۶۰ مجلد مع خوبصورت گرد پوش و مصور
قیمت ۱۰۰ روپے۔ پتے (۱) انجمن ترقی اردو ہند، اردو گھر، راؤز ایوینیو، نئی دہلی
(۲) مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ جامعہ نگر، نئی دہلی۔

پروفیسر جگن ناتھ آزاد اردو کے غالباً وہ واحد مصنف و شاعر ہیں جن کی زندگی ہی میں ان پر کئی رسالوں کے خاص نمبر نکلے ہیں اور بعض کتابیں بھی چھپی ہیں نیز متعدد حضرات نے ان پر تحقیقی مقالے لکھ کر پی. ایچ. ڈی کی ڈگری لی ہے، اگر آزاد صاحب علامہ اقبال کے عاشق و شیدائی ہیں تو خود ان کے بھی بے شمار عاشق و شیدائی ہیں جن میں محمد ایوب واقف صاحب کا نام سرفہرست ہے، جو طالب علمی ہی کے زمانہ سے آزاد کی سحر آفریں شخصیت اور حیرت انگیز کمالات سے مسحور ہیں، انہوں نے اسی زمانہ میں ان پر ایک کتاب ترتیب دینے کا بیڑا اپنے ذمہ لیا اور بڑی محنت و جانفشانی اور بہت سلیقے سے اسے پایہ تکمیل تک پہنچا کر دم لیا، ان کی یہ کتاب پہلی دفعہ ۶۸ء میں شائع ہوئی اور ہاتھوں ہاتھ لی گئی، اب انہوں نے پہلے ایڈیشن کے کور کسر کو دور کرکے دوسرا ایڈیشن شائع کیا ہے، پہلے اڈیشن میں صرف ہندوستانی اہل قلم کی نگارشات شامل کی جا سکی تھیں لیکن یہ دوسرا ایڈیشن پاکستان کے ارباب قلم کے مضامین سے بھی مزین ہے اس سے اس کی قدر و قیمت دوچند ہوگئی ہے، واقف صاحب نے طبع دوم کے دیباچہ میں تفصیل سے آزاد کی اس مقبولیت و محبوبیت کا ذکر کیا ہے جو ان کو پاکستان میں حاصل ہے، کتاب کئی حصوں میں ہے پہلے میں جناب جگن ناتھ کی شخصیت و سیرت کے خط و خال نمایاں کئے گئے ہیں، یہ حصہ چھ مضامین پر مشتمل ہے، اس کا سب سے مبسوط مقالہ ہمارے مخدوم و محترم جناب سید صباح الدین عبدالرحمن مرحوم کا ہے، دوسرے حصے میں آزاد کی شاعری کے مختلف اصناف اور شعری مجموعوں پر سیر حاصل متعدد مقالے دئے گئے ہیں، اس میں لایق مرتب کا مضمون خاصے کی چیز ہے، تیسرے حصہ میں آزاد کی نثر نگاری پر

حامد اللہ ندوی کا واحد مضمون ہے جو دلچسپ اور اہم ہے، اقبالیات کے ضمن میں آزاد کی تصنیف "اقبال اور اس کا عہد" پر دو اچھے مضامین ہیں، آخر میں چند انٹرویو ہیں، ان مضامین سے جگن ناتھ آزاد کی شخصیت و سیرت اور ان کے فنی کمالات اور ادبی اکتسابات پر اچھی روشنی پڑتی ہے، مرتب قابل ستایش ہیں کہ انہوں نے محنت، خلوص اور لگن سے اتنے سارے مضامین اکٹھا کئے، لیکن آزاد شاعر سے بڑھ کر نثر نگار ہیں اور نثر نگاری میں بھی اقبال شناسی ان کا خاص امتیاز ہے مگر اس مجموعہ میں شاعری کے مقابلہ میں نثر نگاری کی جانب کم اعتنا کیا گیا ہے۔

قومی یک جہتی اور نصابی کتابیں مرتبہ جناب اکبر رحمانی صاحب، تقطیع متوسط کاغذ کتابت، طباعت بہتر، صفحات ۱۳۰ قیمت غیر مجلد ۳۰ روپے، مجلد ۳۵ روپے۔

پتہ ایجوکیشنل اکادمی، اسلام پورہ جلگاؤں، مہاراشٹر۔

جناب اکبر رحمانی کا اصل مشغلہ درس و تدریس ہے مگر ان کو تحریر و تصنیف کا اچھا سلیقہ ہے، ملک کی سلامتی جذباتی ہم آہنگی اور فرقہ وارانہ میل جول سے انہیں خاص دلچسپی ہے جس کو فروغ دینے کے لئے وہ کئی برس سے ماہنامہ آموزگار نکال رہے ہیں، اس کتاب میں انہوں نے مہاراشٹر کے ابتدائی و ثانوی درجات کی زبان و تاریخ کی کتابوں کا جائزہ لے کر دکھایا ہے کہ وہ سیکولرازم قومی یک جہتی اور فرقہ وارانہ اتحاد کے منافی اور باہمی منافرت، علاقائیت اور تشدد وجارحیت کے رجحان کو فروغ دینے والی ہیں، اور ان میں ایک مخصوص فرقہ کے مذہب، تاریخ، کلچر، ادب اور تہذیب و روایات کو نمایاں کیا گیا ہے اور دوسرے فرقوں کے کارناموں کا ذکر نہیں آنے پایا ہے اور اگر آیا ہے تو توڑ مروڑ کر غلط انداز میں اس سلسلہ میں قومی کونسل برائے تعلیم و تحقیق (NCERT) کی صریح ہدایات اور رہنما اصولوں کو نظر انداز کر کے سارا زہریلا مواد نصابی کتابوں میں شامل کیا گیا ہے، مصنف نے اس کی اور فرقہ وارانہ منافرت پر مبنی مواد کی نشاندہی کر کے دکھایا ہے کہ وہ اکثریتی فرقہ کے خیالات، دیومالائی تصورات اور مذہبی عقائد کا ترجمان ہے، اس بارہ میں حکومت کی مداہنت بھی دکھائی ہے، کتاب ان تین مضامین کا مجموعہ ہے (۱) بڑھتی ہوئی فرقہ وارانہ منافرت میں نصابی کتابوں کا رول (۲) قومی یکجہتی کے نقطہ نظر سے تاریخ کی درسی کتابوں کا تنقیدی جائزہ (۳) قومی یک جہتی کا فروغ اور تعلیم، یہ کتاب ہر ہندوستانی کے مطالعہ میں آنے کے لائق ہے۔ اس لئے اس کا ترجمہ انگریزی، ہندی اور دوسری علاقائی زبانوں میں ہونا چاہئے۔

" ض "

تصنیفات مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ

۱۔ سیرۃ النبی جلد سوم۔ معجزہ کے امکان و وقوع پر علم کلام اور قرآن مجید کی روشنی میں مفصل بحث۔ قیمت ۵۸/-

۲۔ سیرۃ النبی جلد چہارم۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغمبرانہ فرائض۔ ۵۸/-

۳۔ سیرۃ النبی جلد پنجم۔ فرائض خمسہ نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج اور جہاد پر سیر حاصل بحث۔ ۴۸/-

۴۔ سیرۃ النبی جلد ششم۔ اسلامی تعلیمات، فضائل و رذائل اور اسلامی آداب کی تفصیل۔ ۵۸/-

۵۔ سیرۃ النبی جلد ہفتم۔ معاملات پر مشتمل متفرق مضامین و مباحث کا مجموعہ۔ ۲۳/-

۶۔ رحمت عالمؐ۔ مدرسوں اور اسکولوں کے چھوٹے چھوٹے بچوں کیلئے سیرت پر ایک مختصر اور جامع رسالہ۔ ۷/-

۷۔ خطبات مدراس۔ سیرت پر آٹھ خطبات کا مجموعہ جو مسلمانان مدراس کے سامنے دیے گئے تھے۔ ۱۶/-

۸۔ سیرت عائشہؓ۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حالات و مناقب و فضائل۔ ۲۵/-

۹۔ حیات شبلیؒ۔ مولانا شبلیؒ کی بہت مفصل اور جامع سوانح عمری۔ ۵۸/-

۱۰۔ ارض القرآن ج ۱۔ قرآن میں جن عرب اقوام و قبائل کا ذکر ہے ان کی عصری اور تاریخی تحقیق۔ ۲۴/-

۱۱۔ ارض القرآن ج ۲۔ بنو ابراہیم کی تاریخ قبل از اسلام، عربوں کی تجارت اور مذاہب کا بیان۔ ۱۸/-

۱۲۔ خیام۔ خیام کے سوانح و حالات اور اس کے فلسفیانہ رسائل کا تعارف۔ ۴۵/-

۱۳۔ عربوں کی جہازرانی۔ بمبئی کے خطبات کا مجموعہ۔ ۱۵/-

۱۴۔ عرب و ہند کے تعلقات۔ ہندوستانی اکیڈمی کے تاریخی خطبات (طبع دوم عکسی) ۴۹/-

۱۵۔ نقوش سلیمانی۔ سید صاحب کے منتخب مضامین کا مجموعہ جن کا انتخاب خود موصوف نے کیا تھا (طبع دوم عکسی) ۴۲/-

۱۶۔ یاد رفتگاں۔ ہر شعبۂ زندگی کے مشاہیر کے انتقال پر سید صاحبؒ کے تاثرات ۳۳/-

۱۷۔ مقالات سلیمان (۱) ہندوستان کی تاریخ کے مختلف پہلوؤں پر مضامین کا مجموعہ۔ ۳۳/-

۱۸۔ مقالات سلیمان (۲) تحقیقی اور علمی مضامین کا مجموعہ۔ ۲۹/-

۱۹۔ مقالات سلیمان (۳) مذہبی و قرآنی مضامین کا مجموعہ (بقیہ جلدیں زیر ترتیب ہیں) ۲۹/-

۲۰۔ برید فرنگ۔ سید صاحبؒ کے یورپ کے خطوط کا مجموعہ۔ ۲۰/-

۲۱۔ دروس الادب حصہ اول و دوم۔ جو عربی کے ابتدائی طالب علموں کے لیے مرتب کیے گئے ۴/- ۶/-

"منیجر"